ارمغانِ کُندن

سنہ ۱۹۷۸ء سے سنہ ۱۹۸۶ء تک کے

کلام کا انتخاب

کُندن لعل کُندنؔ

مصنّف: کندن لال مدان

تخلص: کندنؔ

وطن: قصبہ کوٹ قیصرانی تحصیل تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خان۔ پنجاب (پاکستان)

سنہ ولادت: یکم اپریل ۱۹۳۶ء

سنہ اشاعت اوّل ——— ۱۹۸۷ء

تعدادِ اشاعت ——— چھ سو

ناشر ——— کندن لال کندنؔ

طباعت ——— ایس۔ کے۔ آفسٹ پرنٹرس، دہلی

خوشنویس ——— حفیظ الرحمٰن

ٹائیٹل ——— زینیا بلاک کمپنی دہلی

قیمت ——— تیس 30 روپے

تقسیم کار: نغمہ بک سپلائی کمپنی 23/4 مٹیا محل، جامع مسجد۔ دہلی ۶

(یہ کتاب اُردو اکاڈمی دہلی کے مالی اشتراک سے شائع کی گئی)

AUTHOR'S ADDRESS: 49, VINOBAPURI, LAJPAT NAGAR, NEW DELHI-110024.

مصنّف کا پتہ:۔ ۴۹ ونوبا پوری۔ لاجپت نگر۔ نیو دہلی ۱۱۰۰۲۴

PHONE NO. 6833152 ٹیلیفون نمبر:۔
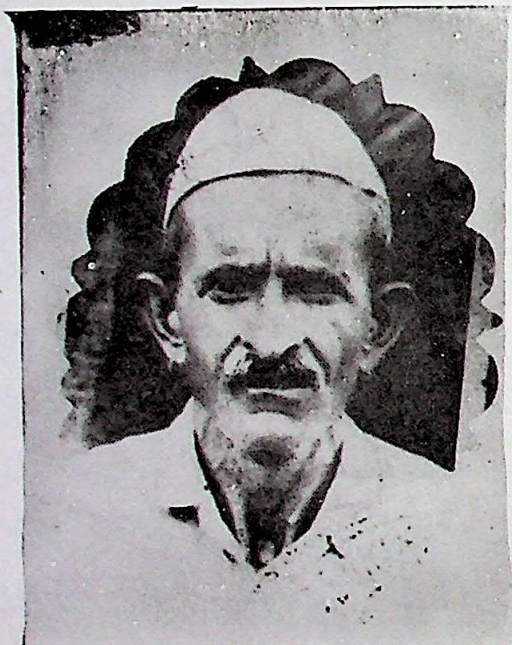
اِنتساب

والدِ محترم کی یاد میں

جن کی شفقت، عنایت اور تربیت نے مجھ
حقیر کو ذرّے سے آفتاب بنانے کی کوشش کی

دُعائیہ

(قابلِ صد احترام عالی جناب پروفیسر گوپی چند نارنگ)

زمانہ تو ہر گھڑی منقلب ہے ہی، لیکن بیسویں صدی اُردو پر بہت بھاری پڑی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُردو کے زمین و آسمان بدل گئے۔ ایک بساط اُلٹ گئی، دوسری بچھائی گئی اور اس کے بھی 'جو بادہ کش تھے پُرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں'۔ کُندن لعل باقیاتِ صالحات میں سے ہیں۔ یہ اُس زمانے کی یادگار ہیں جب بے تہی سرمایۂ افتخار نہیں تھی۔ لوگ برسوں مشقِ سخن کرتے تھے، پھر کہیں بات کو لبِ اظہار تک لاتے تھے، کُندن لعل کو دہلی یونی ورسٹی چھوڑے بیس[٢] برس ہو گئے اب کہیں جاکر وہ اپنا مجموعہ شائع کر رہے ہیں۔ اُردو سے ان کو محبّت ہی نہیں، عشق ہے اور اس میں اُنھوں نے سود و زیاں کی کبھی پروا نہیں کی۔ اب لوگ ڈگری بعد میں لیتے ہیں، نوکری کا پہلے سے پکّا کرلینا چاہتے ہیں، لیاقت قابلیت صلاحیت سے نہیں، خوشامد درآمد سے۔ کُندن لعل صاحب پڑھنے آئے تھے تب بھی ڈاک گھر میں تھے اور اب بھی ڈاک گھر میں ہیں۔ اُردو کو انھوں نے چاہا ہے، اس چاہت کے دام لگانے کی انھوں نے کسی کو اجازت ہی نہیں دی۔ خاموشی سے شعر کہتے رہتے ہیں۔ اب کی مرتبہ وہ پورا رجسٹر اُٹھا کرلے آئے تو میں حیران ہوا کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے! اکثر طلبہ کا حال تو یہ رہتا ہے کہ دن دو دن کو آئے، کچھ پڑھا لکھا، کچھ خوش وقتی کی، پھر یہ جا وہ جا، رات گئی بات گئی لیکن کُندن لعل کا سانچا ہی دوسرا ہے، اُن کی مٹّی تونسہ شریف کی ہے۔ جو لوگ مغربی پنجاب کا احوال جانتے ہیں انھیں معلوم ہے کہ تونسہ شریف انتہائی مردُم خیز بستی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ ان بیس برسوں میں کُندن لعل ایک بھرے پُرے شعر گو کے طور پر سامنے آرہے ہیں۔ اس دیوان میں غزلیں تو ہیں ہی جو اُن کے ذوق و شوق کی آنچ سے کُندن ہو گئی ہیں۔ خمسے، قطعات، نظمیں، تضمینیں اور مثنویات بھی ہیں۔ خُدا کرے اُن کا مرحلۂ شوق طے نہ ہو اور وہ اسی طرح نئی منزل کی طرف بڑھتے رہیں۔

گوپی چند نارنگ

۱۰ فروری ۱۹۸۷ء

دُعائیہ

عالی جناب شاعرِ خوش کلام پروفیسر بخشی اختر امرتسری

تیرا گلشن سونا ہوتا　　میں جو بن کا بوٹا ہوتا

شاعر نے "گلشن" اور "بن" کو بطور استعارا استعمال کر کے ایک معمولی سے مضمون میں جان ڈال دی ہے اور جو کہا ہے وہ بجا کہا ہے۔ کیونکہ اس گلشنِ ہست کی سب رونق آدمی ہی سے ہے اگر وہ نہیں تو گلشن گلشن نہیں بلکہ ہُو کا مقام ہے ؎

سب رونقیں جہان کی ہیں آدمی کے ساتھ　　ہوتا نہ آدمی تو یہ ہُو کا مقام تھا (اختر امرتسری)

اس شعر کا خالق ضلع ڈیرہ غازی خان کا رہنے والا ایک متموّل خاندان مدان کا چشم و چراغ ہے جس نے دہلی یونیورسٹی سے اُردو میں ایم۔اے۔ ایم لٹ کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر قمر رئیس، ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی ڈاکٹر شریف احمد اور ڈاکٹر فضل الحق جیسے اساتذۂ کرام سے تعلیم حاصل کی ہے۔ اسے کندن لعل کُندنؔ کہتے ہیں۔

" ارمغانِ کُندن " اس کی پہلی شعری کاوش ہے جو اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ " ہونہار بِروا کے چکنے چکنے پات " اس مجموعہ میں غزلیں، قطعے، نظمیں اور مثنوی شامل ہیں۔ نظموں میں نظم آزادی ۱۵ اگست، یوم ولادت مسیح، جشنِ جمہور، ہولی، جہیز کی لعنت، سرزمینِ ہند کی شان اور مئے نوشی کے خلاف ہیں۔

میں پیرانہ سری، بینائی کی بے حد خرابی، عارضۂ ضیق النفس کی شدت اور جسمانی کمزوری کے باعث عزیز کے کلام کے ساتھ پورا انصاف نہ کر پاؤں گا۔ پھر بھی عزیز کے چند اشعار قارئینِ کرام کے مطالعہ کے لئے مشتے نمونہ از خروارے پیش کرتا ہوں۔

غیروں میں کب عزت پاتا — کندن جو تو جھوٹا ہوتا

راست گوئی کی تلقین کس عمدگی سے کی ہے اسے پندو نصیحت نہیں بننے دیا ہے

وہی میرا گاؤں وہی میری بستی — جہاں ہے خیال اپنا دل بھی وہیں ہے

وہاں تم تصور میں کھوئے ہوئے ہو — یہاں ہم کو بھی ہوش اپنا نہیں ہے

ع دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی

ملتے ہیں مشکلوں ہی سے احباب بے غرض — مطلب پرست دوستوں کی کچھ کمی نہیں

جذباتِ عشق ہی سے تو ہے لطفِ زندگی — بے عشق زندگی تو کوئی زندگی نہیں

انعامِ عقلِ زیست سے محروم ہم نہیں — "حاصل ہمیں متاعِ شعورِ حیات ہے"

قفس میں مجھ کو میری بد نصیبی تو نہیں لائی — قفس میں منتظر تھا میرا آب و دانہ برسوں سے

مری تر زبانی کا شکوہ تمہیں تھا — مری خامشی کو اب آکر تو دیکھو

اور فانی بدایونی نے اس مضمون کو اس طرح سے باندھا ہے ؎

سُنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے — کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

(فانی بدایونی)

یہ اپنے اپنے عمل کا بدل ہے اے کندن — کسے عذاب ملے اور کسے ثواب ملے

اہلِ دُنیا نے دھرے کان نہ اُن کی جانب — لے کے پیغام ترا آئے پیمبر کتنے

(یہ شوقِ شعر گوئی ہے تو کر مشقِ سخن کندن — تو ہو جائے گا اس میں کامیاب آہستہ آہستہ (آمین)

نظم "اظہارِ تمنا" بہت خوب ہے اور پڑھنے کے لائق ہے اُمید ہے کہ قارئینِ کرام کلام کندن کو پسند فرمائیں گے اور بھرپور داد سے نوازیں گے میری دُعا ہے کہ کندن کا کلام قبولِ عام کی سند پائے۔ آمین

۲۱ر فروری ۱۹۸۷ء

بخشی اختر امرتسری
کیو ۲۳ ملکہ گنج - دہلی نمبر 7 11000

پیش لفظ :-

(عالی جناب ڈاکٹر قمر رئیس صدر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی - دہلی)

کندن لعل میرے ان عزیز شاگردوں میں سے ایک ہیں جو اردو شعر و ادب کا گہرا اور رچا ہوا ذوق رکھتے ہیں - انہوں نے غالباً ۱۹۶۸ء میں دہلی یونیورسٹی سے اردو میں ایم - اے کیا اور اس کے بعد ۱۹۷۰ء ایم - لٹ کی اعلیٰ سند حاصل کی - کئی سال تک بڑی لگن سے پی - ایچ - ڈی کا تحقیقی کام بھی کرتے رہے - مختلف کتب خانوں کی خاک چھان کر انھوں نے اپنے موضوع سے متعلق خاصہ اہم مواد جمع کر لیا تھا لیکن پھر زندگی اور زمانہ کی ناسازگاری نے ان کے تحقیقی کام کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچنے دیا - لیکن اپنے ادبی ذوق کی تسکین وہ شعر گوئی سے کرتے رہے -

گزشتہ بیس سال کی مدت میں انہوں نے مجھ سے اور شعبہ کے دیگر اساتذہ سے رشتۂ اخلاص قائم رکھا - ہمیشہ بڑی محبت سے ملتے رہے - اپنے ادبی اور ذاتی مشغلوں کی بابت مشورہ کرتے رہے - کندن لعل بے حد مخلص ہی نہیں معصوم خوش خلق، اور درد مند دل رکھنے والے انسان ہیں - انہوں نے اپنی طالب علمی اور پھر تحقیقی کام کے زمانے میں کلاسکی شاعری کا مطالعہ بڑے انہماک سے کیا اور اس کا اتنا اثر قبول کیا کہ قدیم شاعری کے مضامین اور اس کی تخیلی فضا ان کے تخلیقی مزاج میں رچ بس گئی اتفاق سے انہوں نے ایک ایسے استادِ فن سے مشورہ کیا جو اردو شاعری کے روایتی سرمایہ کو عزیز رکھتے ہیں - میری مراد ہے پروفیسر بخشی اختر امرتسری - زبان و بیان کی باریکیاں، محاورہ کے در و بست اور عروض کے گر کندن صاحب کو بخشی اختر صاحب نے ہی سکھائے ہیں اور اس

میں شبہ نہیں کہ اس میدان میں ان کو بڑی قدرت حاصل ہو گئی۔ ایم لٹ میں اُن کے تحقیقی مقالے کا موضوع "اردو میں تاریخی مثنویاں" تھا۔ اپنے اس تحقیقی کام کے دوران میں انہوں نے بلا مبالغہ سیکڑوں مثنویوں کا مطالعہ کیا۔ شاعری میں بیانیہ اسلوب کا انداز و آہنگ ممکن ہے انہوں نے مثنویوں سے بھی اخذ کیا ہو۔

کندن صاحب کے کلام پر نظر ڈالتے ہوئے احساس ہوا کہ اُن کی بے شمار غزلیں طرح پر یا طرحی مشاعرہ کے لئے کہی ہوئی ہیں۔ اکثر مصرع طرح کی موجودگی اس کا احساس دلاتی ہے۔ اور طرحی غزلوں کا ایک وصف یہ ہوتا ہے کہ اس میں کافی شعر قافیہ بندی کے ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے اساتذہ کا کلام اس کمزوری سے خالی نہیں۔ کندن لعل کے اشعار میں اس کمزوری پر کہیں زبان کی گھلاوٹ نے اور کہیں محاورے کی چستی اور اس سے پیدا ہونے والی ہلکی سی شوخی نے پردہ ڈال دیا ہے۔

مثال کے طور پر صرف ایک غزل کے یہ اشعار دیکھئے۔

بنو تم ہمارے نہیں ہم تمہارے — محبت کی دُنیا میں ہوں والے نیارے

وہ سُنتے نہیں بات تک جب کسی کی — کوئی شیشے میں اُن کو کیسے اُتارے

ادھر آؤ آکر میرے پاس بیٹھو — دل و جاں میں صدقے اُتاروں تمہارے

محاورے کی بندش سے قطع نظر کندن لعل کی غزلوں میں جہاں تجربہ کی آنچ موجود ہے وہاں اشعار سچ مچ کندن کی طرح دمک اُٹھتے ہیں۔ ان میں شعریت بھی ہے اور تاثیر بھی اور کہیں احساس کی تازہ کاری بھی مزہ دیتی ہے۔

یہ اشعار دیکھئے

وہ صاف صاف دکھائی بھی کیا نہیں دیتے — نظارہ حسن کے جو چشم تر سے گزرے ہیں

پھر گردشِ دوراں نے کچھ فتنے اُبھارے ہیں   کیا جانئے اب کیا ہو گم ہوش ہمارے ہیں
مُنہ دیکھتے رہتے ہیں ہر وقت ہمارا ہی   پتھر کے یہ بُت ہم نے شیشے میں آتارے ہیں

ہم لڑکپن سے جوانی میں جو ہوں گے داخل   دل میں مچ جائے گا کہرام یہ معلوم نہ تھا
اے چشمِ شوق کس کا تجھے انتظار ہے   ہر وقت ہر گھڑی جو دل و جاں پہ بار ہے

اس کے پہلو بہ پہلو کُندن لعل کی غزلوں میں ایسے اشعار بھی کثرت سے ملتے ہیں جن میں عصر حاضر کی پُر آشوب زندگی کا کرب زا احساس جھلکتا ہے۔ ان کی متعدد نظمیں بھی قومی درد مندی کے جذبات سے معمور ہیں لیکن آویزش اور تناؤ کے ماحول میں آج کے انسان پر جو بیت رہی ہے کُندن لعل کی درد مندی اس سے بے نیاز نہیں ہے۔

وہ یاس کی افراط ہے اس دور میں کُندن
ہر شخص کو مایوس سوا دیکھ رہا ہوں

گردشِ وقت نے بدلا ہے یوں اب ان کا شعار
فکرِ روزی میں نکل آئے قلندر کتنے

یہ دور کوئی دور ہے اس دور پہ لعنت   بیزار ہے اس دور سے ہر فرد بشر آج

جن لبوں پر قہقہے تھے خامشی سی چھا گئی   ہو گا یوں بے کیف جینا یہ کبھی سوچا نہ تھا

کہنہ و خستہ مکانوں کی طرف بھی دیکھو   دیکھتے کیا ہو فلک بوس عمارات نئی

جدھر بھی دیکھا وطن میں اپنے اُداس پایا ہے ہر بشر کو
نہ جانے کیا غم ہے ان کے دل میں ہر اک بشر سوگوار سا ہے

کُندن لعل کی نظموں میں دو منظومات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ایک اُن کی عشقیہ مثنوی ہے اور دوسری چودہ سے چالیس تک کی حسیناؤں پر شاعرانہ تنقید۔ یہ مختصر مثنوی ایک دوشیزہ آتی سے شاعر کے والہانہ عشق کی روداد ہے جس کا انجام مایوسی اور الم نصیبی پر ہوتا ہے۔ دوسری نظم اُردو میں نسوانی حسُن و شباب کے طلوع ہونے اور ڈھلنے کی نت نئی کیفیتوں کا شاعرانہ بیان ہے۔ یہ نظمیں شاعر کی تخلیقی صلاحیتوں اور قدرتِ کلام کا ثبوت ہیں۔ یہاں جذبات نگاری کے مرقعے بھی ملتے ہیں اور ایسی نادر تشبیہات بھی جو اُن کی غزلوں میں نظر نہیں آتیں۔

مجھے اُمید ہے کہ "ارمغانِ کُندن" کی رنگا رنگ شعری نگارشات کا یہ مجموعہ اہلِ ذوق سے داد اور قبولیت پائے گا۔

قمر رئیس

۱۵؍ فروری ۱۹۸۷ء

سُخنے چند

قابلِ صد احترام عالی جناب:

(ڈاکٹر) شریف احمد۔ اُستاد شعبۂ اُردو ۔ دہلی یونیورسٹی ۔ دہلی

کُندن لال کُندنؔ کا " ارمغانِ کُندنؔ " دیکھ کر بڑی حیرت زا مسرّت ہوئی۔ اس لئے کہ جب یہ دانش گاہِ دہلی میں درس لیتے تھے تو میں اُنہیں صرف، کُندنؔ لال سمجھتا تھا۔ کُندنؔ لال: ایک محنتی اور سنجیدہ طالب علم ۔! وہ جب پڑھتے تھے، تب بھی محکمہ ڈاک سے وابستہ تھے اور اب بھی ہیں۔ محکمۂ ڈاک، اکثر و بیشتر آدمی کی تخلیقی صلاحیتوں کو بھی سر بمہر کر دیتا ہے۔ لیکن تخلیق کا یادۂ سرجوش کسی کے دبائے دبا ہے؟ اُردو کے معروف و محترم افسانہ نگار " راجندر سنگھ بیدی " کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ بیدی نے کئی سال ڈاک کی مُہریں لگائیں، اور پھر اپنی صلاحیت اور استعداد کو پہچانا۔ خوشی کی بات ہے کہ کُندنؔ لعل محکمۂ ڈاک میں رہتے ہوئے ہی " کُندنؔ " بن گئے۔

میں نے " ارمغانِ کُندنؔ " کے مسودے کو غور اور دلچسپی سے پڑھا۔ تاثر یہ ہے کہ وہ نِرے شاعر ہی نہیں ہیں۔ یعنی وہ ایک ہی وقت میں، ذمّے دار اور باشعور فرد بھی ہیں اور شاعر بھی۔ یعنی اُن کی شاعری محض خوبصورت اور دلآویز لفظوں کا مجموعہ نہیں ہے، اس کے پیچھے، ہمیشہ نہ سہی تو اکثر، آج کی سچّائیاں اور حقیقتیں چھُپی ہوئی ہیں۔ حقیقت کا صحیح ادراک، جب جذبے کی آنچ سے مَس ہو کر احساس بنتا ہے، اور لفظوں کا مناسب ترین پیکر اختیار کرتا ہے، تو شعر وجود میں آتا ہے۔ اور غزل کا شعر تو کچھ اور بھی چاہتا ہے: سچّا تجربہ اور سچّا اظہار ۔ غزل کے محدود و معروف ڈکشن میں۔ اس لئے غزل اور بڑی غزل کہنا بہت مشکل ہے۔

" ارمغانِ کُندنؔ " میں غزلیں زیادہ ہیں، نظمیں کم اور قطعات اُن سے بھی کم اور آخر میں

ایک مثنوی۔ کندن کی غزلیں پڑھتے ہوئے جو بات سب سے زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے، یہ ہے کہ غزلیہ شاعری کی روایت پر اُن کی نظر خاصی گہری ہے۔ لیکن میر و غالب اور فراق و فیض سے زیادہ اُن پر اثر ہے داغ و امیر اور اُن کے تلامذہ کا۔ اس سے اُنہیں ایک فائدہ پہنچا ہے، اور ایک نقصان۔ چچی تُلی اور سلیس و رواں زبان، محاورے اور روزمرہ کا چٹخارہ؛ یہ بہت بڑا فائدہ ہے لیکن فرسودہ مضامین، روایتی خیالات بھی سجی سجائی زبان سے چمٹ جائیں، تو یہ، اچھا خاصا گھاٹے کا سودا ہو جاتا ہے۔ کندن یہ گھاٹا بھی اُٹھاتے ہیں غنیمت یہ ہے کہ ہر جگہ نہیں، ہمیشہ نہیں۔

آپ اُن کی غزلیں پڑھئے۔ تقریباً ہر غزل میں تقلیدی روایتی اور معمولی اشعار ملیں گے! لیکن ساتھ ہی ایسے اشعار بھی ملیں گے، جن میں آپ تازگی، تاثیر اور حُسن بھی محسوس کریں گے۔ ایسے اشعار جنہیں اصطلاح میں "بیت الغزل" کہا جاتا ہے۔ میرے نزدیک کندن کا ارمغان یہی ہے۔ ایسے اشعار میں فن کار روایت سے صحت مند عناصر لے کر اپنے تجربے کا جُزو بناتا ہے۔ اور یہیں وہ اپنی شناخت کرانے، انفرادیت کو تسلیم کرانے اور اپنی آواز کو پالینے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر صورتِ حال یوں ہے، تو پھر یہ کندن ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ یہ تو ابتدا ہی سے اُردو غزل کا خاصہ رہا ہے۔ یعنی ہر غزل گو، اور ہر بڑے غزل گو کی غزل بھی اس رطب و یابس کی یک جائی سے کم ہی بچ سکی ہے۔

اور کندن کی شاعری کا تو ابھی آغاز ہے۔ اُنہیں فکر و فن کا بہت لمبا سفر طے کرنا ہے۔ مجھے یقین ہے اگر فکر و فن دونوں کی، اُنہوں نے ریاضت جاری رکھی تو پھر وہ کندن جیسے شعر کہیں گے۔

کندن کی نظمیں، قطعے اور مثنوی اور بھی زیادہ ریاضت کا تقاضا کرتے ہیں۔

شریف احمد

۲۲ فروری ۱۹۸۷ء

تعارف

نام :- کندن لعل مدان

تخلص :- کندن

ولادت: یکم اپریل ۱۹۳۶ء بمقام کوٹ قیصرانی تحصیل تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خان پنجاب (پاکستان)

تعلیم: ایم۔ اے۔ ایم لٹ، دہلی یونیورسٹی

میں نے شری لیکھو رام مدان صاحب مرحوم کے ایک خوشحال گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے قصبے میں شروع کی تھی۔ والد بزرگوار بلوچستان لورالائی میں سرکاری ملازم تھے۔ وہاں بھی دو سال تعلیم پائی۔ سنہ ۱۹۴۷ء میں ملک کے بٹوارے سے وطن بدر ہونا پڑا۔ پہلے پنجاب ہریانہ میں شرنارتھی کی حیثیت سے پناہ گزین ہوا۔ سنہ ۱۹۵۴ء میں میٹرک ہندی سے پاس کی۔ سنہ ۱۹۵۵ء میں مستقل سکونت دہلی میں اختیار کی۔ پڑھائی چھوڑ دی۔ تعلیمی پیاس بجھانے کے لئے تقریباً ایک دہائی کے بعد سنہ ۱۹۶۴ء میں دوبارہ تعلیمی سلسلہ شروع کیا۔ سنہ ۱۹۶۶ء میں دہلی کالج سے بی۔ اے سنہ ۱۹۶۸ء میں دہلی یونیورسٹی سے ایم۔ اے اور سنہ ۱۹۷۰ء میں ایم لٹ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ پی ایچ ڈی کا داخلہ دہلی یونیورسٹی میں لیا مگر پی۔ ایچ۔ ڈی مکمل نہ ہو سکی جس کی وجہ پوسٹ آفس کی دن بھر کی بہ مشقت نوکری تھی۔ سنہ ۱۹۶۰ء میں پوسٹ آفس میں بطور منشی مقرر ہوا۔ سب پوسٹ ماسٹری کا امتحان اپنے ڈاک کے محکمے میں پاس کیا، اور سب پوسٹ ماسٹر کے عہدے پر فائز ہوں۔

ایم لٹ اور پی ایچ ڈی کے موضوع جنوبی اور شمالی ہند میں "اردو کی تاریخی مثنویاں" کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ کے سلسلہ میں مجھے رضا لائبریری رامپور، خدا بخش لائبریری پٹنہ، نیشنل لائبریری کلکتہ، اسٹیٹ لائبریری اور سالار جنگ میوزم حیدرآباد، جامع مسجد لائبریری بمبئی کے علاوہ کئی کتب خانوں کی خاک چھاننی پڑی اور جس کی بدولت بہت سی مطبوعہ و غیر مطبوعہ مثنویاں زیر مطالعہ رہیں۔ غالباً اسی وجہ سے طبیعت میں موزونیت پیدا ہوئی۔ بطور سامع ادبی شعری نشستوں میں شرکت کرنے سے شوق شعر گوئی پیدا ہوا ہو۔ علاوہ ازیں دہلی کی ادبی فضا شاعرانہ ماحول کا بھی مجھ پر اثر پڑا۔

شہریارِ سخن پروفیسر بخشی اختر امرتسری کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا، اور یہ سلسلۂ تلمذ آج تک جاری ہے۔

"ارمغانِ کندن" میرا پہلا مجموعہ ہے۔

زیرِ نظر مجموعہ "ارمغانِ کندن" یہ میرے شعری سفر کی داستان کا ابتدائی دَور ہے۔ یعنی اس میں میری شاعرانہ زندگی کی صرف ایک دہائی کی ریاضت شامل ہے۔ اس لئے وہ سارے تجربات شعری شاید موجود نہ ہوں جو کہ ایک کہنہ مشق شاعر کے شعری مجموعہ میں پائے جاتے ہیں۔ مشاعروں کے اسٹیج پر اور ادبی شعری نشستوں میں میری شاعری نے جگہ پائی ہے۔ مستند مؤقر جرائد ہفتہ وار ماہناموں مثلاً "سیاست" اور "صدائے جمہور" جموں، "خبردار" اور "سہارنپور گزٹ" سہارنپور یو پی، "عوامی اقتدار" حیدر آباد، "پیغام" سونی پت، اور دہلی کے "سفارت" دہلی، ماہنامہ ہند "سندیش"، "رہنمائے تعلیم" "سراج الحق" "خاتونِ مشرق" اور "گلابی کرن" وغیرہ میں میرے شعری افکار محفوظ ہیں۔

"ارمغانِ کندن" میرا پہلا مجموعۂ کلام ہے۔ جس کو میں ملک کے اربابِ فکر و نظر کی خدمت میں پیش کرنے کی ہمت کر رہا ہوں۔ اور اُمید کرتا ہوں کہ اگر اس میں کہیں فکری یا فنی کمزوری راہ پا گئی ہو تو اُسے نہ صرف نظر انداز فرمائیں گے بلکہ میری اصلاح کریں گے۔ اس لئے کہ غلطیوں کا صدور بشریت کا خاصہ ہے۔

شعر گوئی کے سلسلے میں میرا کوئی روایتی تکلیہ نہیں ہے لیکن اوزان و بحور کی پابندی کرتا ہوں، تغزّل کو اہمیت دیتا ہوں اور اُسے غزل کی رُوح سمجھتا ہوں۔ اس سے زیادہ اپنے بارے میں کیا عرض کروں، قارئینِ کرام پر چھوڑتا ہوں وہ کیا رائے قائم کرتے ہیں۔

پوچھتے کیا ہو ہم نے بچپن میں   لورالائی میں دن گزارے ہیں
جب شباب آیا، آئے دلّی میں   اب تمہارے ہیں، اب تمہارے ہیں

۲۱، فروری ۱۹۸۷ء   کندن لعل کندن

حمد
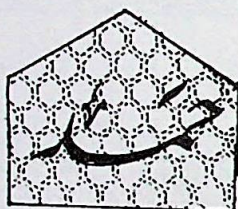
انور تو ہے، ناصر تو ہے، افضل تو ہے، اکبر تو ہے

انور تُو ہے، ناصر تُو ہے، افضل تُو ہے، اکبر تُو ہے
قائم تُو ہے، دائم تُو ہے، اوّل تُو ہے، آخر تُو ہے
مخزن تُو ہے معدن تُو ہے، مرکز تُو ہے محور تُو ہے
کب ہے کوئی تیرا ہمسر، ہادی تُو ہے، سرور تُو ہے
اصغر ہوں یا اکبر انساں، تیرے ہی تو سب ہیں ثنا خواں
ارفق تُو ہے، اشفق تُو ہے، اکرم تُو ہے، اغفر تُو ہے
کوئی نہیں ہے تیرا ثانی، سُنتا ہوں میں سب کی زبانی
سالم تُو ہے عالم تُو ہے، فاضل تُو ہے، برتر تُو ہے
مینا تیرا صہبا تیری، محفل تیری مطرب تیرے
باقی تُو ہے ساقی تُو ہے میکش کندن اطہر تُو ہے

دامنِ یار نہ چھوٹا ہوتا

تیرا گلشن سُونا ہوتا میں جو بن کا بُوٹا ہوتا
آپ نے ٹھوکر ہی کب ماری ورنہ یہ دل ٹُوٹا ہوتا
صدمے اور بہت تھے ایسے دامنِ یار نہ چھُوٹا ہوتا
جیون کٹ جاتا یہ بے غم اور سبھی کچھ لُوٹا ہوتا
عہد و پیماں ایفا کرتے دل کا چھالا پھُوٹا ہوتا
رُوٹھا تھا تو من بھی جاتا یا نہ وہ مجھ سے رُوٹھا ہوتا
غیروں میں کب عزّت پاتا
کُندن جو تو جھُوٹا ہوتا

مہک ایسی اب تک نہ پائی کہیں ہے

کوئی دوسرا اس نظر میں نہیں ہے
وہی اک قمر ہے جہاں بھی کہیں ہے
وہی میرا گاؤں وہی میری بستی
جہاں ہے خیال اپنا دل بھی وہیں ہے
تمہارے چمن میں رہوں آ کے کیسے
کوئی خوش نظر گل کھلا بھی کہیں ہے
ذرا اِن گلوں میں ٹھہرنے دے مجھ کو
مہک ایسی اب تک نہ پائی کہیں ہے
چلا آ چلا آ جو ہے پاسِ اُلفت
کھنچا آ کھنچا آ کہ راحت یہیں ہے
وہاں تم تصوّر میں کھوئے ہوئے ہو
یہاں ہم کو بھی ہوش اپنا نہیں ہے
ہر اک زاویہ سے تجھے دیکھا میں نے
جو ہے بات تجھ میں کسی میں نہیں ہے
سخن گستری یہ تری کیا ہے کندن
سخن میں ترے دل کشی کچھ نہیں ہے

جو اہلِ زر ہیں وطن میں ان کا وہی ہے شعار اب بھی

چمن میں دورِ بہار تو ہے، نہ آیا لطفِ بہار اب بھی:
ہوا ہے ناساز گار اب بھی فضا ہے کچھ سوگوار اب بھی
لہو غریبوں کا چوستے ہیں یہ کیسی پستی یہ کیسی فطرت
جو اہلِ زر ہیں وطن میں ان کا وہی برا ہے شعار اب بھی
وہی ہے ہر چیز میں ملاوٹ وہی ہے ان کا ضمیر گندا
وطن کے لوگوں کو زہر دینے کا ہوتا ہے کاروبار اب بھی
وہی ہے بغض و حسد دلوں میں وہی کدورت وہی ہے نفرت
وہی جہالت ہے کارفرما خیال ہیں تنگ و تار اب بھی
خزاں چمن سے گئی تو کیا ہے چمن کا مالی تو سو رہا ہے
شجر شجر کیوں نظر نہ آئے چمن میں بے برگ و بار اب بھی
مسرتوں کا یہ جشن تو ہے، مگر یہ معلوم بھی ہے کُندنؔ
تم آج جس پر ہوئے ہو نازاں وہ وقت ہے ناگوار اب بھی

سجدہ ریزی کو مرا وہ آستاں ہو ہی گیا

وہ ستمگر مجھ پہ آخر مہرباں ہو ہی گیا
جو نہ ہوتا تھا کبھی بھی اب وہ ہاں ہو ہی گیا
سامنے اُس بُت کا آنا تھا جبیں جھکنے لگی
سجدہ ریزی کو مرا وہ آستاں ہو ہی گیا
گردشِ دوراں نے آخر کر دیا اُس سے الگ
مہرباں اپنا جو تھا نامہرباں ہو ہی گیا
لاکھ چاہا تھا یہ میرا رازِ عشق افشا نہ ہو
ہوتے ہوتے سب پہ آخر یہ عیاں ہو ہی گیا
غیر نے پٹی پڑھائی تھی کچھ اس انداز سے
وہ مری اُلفت سے کُندنؔ بدگماں ہو ہی گیا

جلتا ہوا چراغ تو ہو روشنی نہیں

عشق و وفا میں مجھ کو جو راحت ملی نہیں
میرا نصیب، اس میں خطا آپ کی نہیں
ملتے ہیں مشکلوں ہی سے احباب بے غرض
مطلب پرست دوستوں کی کچھ کمی نہیں
دیوانگیٔ شوق نے بےکار کر دیا
جلتا ہوا چراغ تو ہو روشنی نہیں
جذباتِ عشق ہی سے تو ہے لطفِ زندگی
بے عشق زندگی تو کوئی زندگی نہیں
کندنؔ جہاں میں جس کا ستارا ہے اوج پر
دنیا میں پھر اُسے کسی شئے کی کمی نہیں

"حاصل ہمیں متاعِ شعورِ حیات ہے"

بربادیوں میں میری کہوں کس کا ہاتھ ہے
دُنیا سے سُن رہا ہوں کہ وہ تیری ذات ہے
انعامِ عقلِ زیست سے محروم ہم نہیں
"حاصل ہمیں متاعِ شعورِ حیات ہے"
انسان کی سرشت نے پایا خمیرِ عشق
دُنیا میں کس کو عشق سے حاصل نجات ہے
کُندن بساطِ عشق پہ ہم کس طرح جئیں
اس عشق کی بساط پہ عاشق کو مات ہے

بیزار ہے اس دور سے ہر فردِ بشر آج

دل ہوتا ہے مجروح میرا یا کہ جگر آج
شوخی سے ٹھہرتی نہیں قاتل کی نظر آج

یہ دور کوئی دور ہے اس دور پہ لعنت
بیزار ہے اس دور سے ہر فردِ بشر آج

اک میں ہی ادھر مضطر و بیتاب نہیں ہوں
وہ بھی تو ہیں بس مضطر و بیتاب ادھر آج

لایا ہے یہ رنگ آج میرا جذبۂ الفت
جانا تھا عدو کے وہ کھنچے آئے ادھر آج

میں اس لئے تکمیلِ نشیمن نہیں کرتا
ڈر ہے نہ جلا ڈالیں اسے برق و شرر آج

دل شاد نہ ہو کیوں میرا وہ آئے ہیں گلندن
لایا ہے ثمر میری وفاؤں کا شجر آج

ایک سے بڑھ کر یہاں ہے ایک سلطانِ غزل

ایک سے بڑھ کر یہاں ہے ایک سُلطانِ غزل
کون ہے ان میں بتا دو اصل خاقانِ غزل
شعر میں ہو درد تو وہ شعر ہے جانِ غزل
درد سے خالی تو ہے بے کار دیوانِ غزل
میرو غالبؔ ذوقؔ و سوداؔ تھے نہ سُلطانِ غزل
ان سے بھی پہلے کہیں تھے بیش خاقانِ غزل
دیکھ لو ایسے انوکھے عہدِ ماضی میں نہ تھے
عہدِ حاضر میں جو ہیں موجود عنوانِ غزل
مُطرب و میخانہ و ساقی و صہبا و سبُو
ساتھ لائی ہے غزل سب ساز و سامانِ غزل
آج کُندنؔ کھولے بیٹھے ہیں سبھی اپنی بیاض
شعر کی محفل میں اب اُٹھے گا طوفانِ غزل

لبوں پر اب نہیں آتا کوئی افسانہ برسوں سے

ہوئے ہیں گیسوئے دلدار کے دیوانہ برسوں سے
لئے پھرتے ہیں اپنے ہاتھ میں ہم شانہ برسوں سے
یہ ہے مستی کا عالم آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھے
دھرے ہیں طاق ہی پر شیشہ و پیمانہ برسوں سے
قفس میں مجھ کو میری بدنصیبی تو نہیں لائی
قفس میں منتظر تھا میرا آب و دانہ برسوں سے
یقیناً اس کو اپنی آگ میں جلنا نہیں آتا
جلا کرتا ہے اگر شمع پر پروانہ برسوں سے
سوئے دیر و حرم جاتا کبھی تو میں کس لئے جاتا
کہ میری راہ تکتا تھا یہاں میخانہ برسوں سے
زمانے کے حوادث نے ہمیں سب کچھ بھلا ڈالا
لبوں پر اب نہیں آتا کوئی افسانہ برسوں سے
میں کیسے چھین لیتا جام کُندن دستِ ساقی سے
پڑی سوتی تھی میری جرأتِ رندانہ برسوں سے

آنکھ کے ترکش سے برساتا رہا یہ تیر کون

کر رہا تھا رات کو یہ نالۂ شب گیر کون
مبتلائے رنج و غم تھا اے بتِ بے پیر کون
کس کی دزدیدہ نظر نے کام تیروں کا کیا
آنکھ کے ترکش سے برساتا رہا یہ تیر کون
میں ازل سے مبتلائے رنج و غم ہوں دوستو
عیش و عشرت میں بدل سکتا ہے اب تقدیر کون
دل تو دل کس نے کلیجہ تک لیا میرا نکال
پھر رہا تھا ہاتھ میں ننگی لئے شمشیر کون
آتے آتے ان کا کس دن کس نے روکا راستہ
اُن کے آنے میں ہوا ہے باعثِ تاخیر کون

کھلائے گا کوئی گل یہ شباب آہستہ آہستہ

جو لایا کمسنی میں انقلاب آہستہ آہستہ
رہے گا ڈھل کے وہ جوشِ شباب آہستہ آہستہ
میں موسیٰ تو نہیں جو دیکھ کر بیہوش ہو جاؤں
نہ تم چہرے سے سرکاؤ نقاب آہستہ آہستہ
نہیں آئے ابھی وہ اور یہ شب بھی نہیں کٹتی
بڑھا جاتا ہے دل کا اضطراب آہستہ آہستہ
ابھی ہے نو رسیدہ آگے آگے دیکھئے کیا ہو
کھلائے گا کوئی گل یہ شباب آہستہ آہستہ
یہاں مطرب تو حاضر ہیں وہ جانِ بزم آ جائے
جمے پھر محفلِ چنگ و رباب آہستہ آہستہ
فضاؤں میں یقیناً چاندنی اپنی بکھیرے گا
نکل کر بادلوں سے ماہتاب آہستہ آہستہ
جو شوقِ شعر گوئی ہے تو کر مشقِ سخن گندن
تو ہو جائے گا اس میں کامیاب آہستہ آہستہ

جب بھی خلوص دل سے سجدے کی آرزو کی

کب ہم نے آرزو کی کب ہم نے جستجو کی
کب التجائیں کی ہیں میخانہ و سبُو کی
دیر و حرم میں بھی تو اک کشمکش ہے جاری
پایا نہ چین واں بھی گو لاکھ جستجو کی
دُنیا کی الجھنوں میں ہم یوں اُلجھ گئے ہیں
بھُولے سے بھی نہ ہم نے خالق کی جستجو کی
اپنا نہ دل ٹٹولا جس میں کہ وہ مکیں تھا
دُنیا میں اُس کو ڈھونڈا بے کار جستجو کی
دیر و حرم بھی خود ہی آگے سرک کے آئے
جب بھی خلوص دل سے سجدے کی آرزو کی
آنکھوں سے بہہ گئی ہے کُندن بن تمام خفت
اب دل کا ہے بوجھ ہلکا، ہے تاب گفتگو کی

مری خامشی کو اب آکر تو دیکھو

ذرا رُخ سے پردہ اُٹھا کر تو دیکھو
نگاہوں میں میری سما کر تو دیکھو
لگائے تھے جو زخم اس دل پہ تم نے
بہاروں پہ ہیں وہ اب آکر تو دیکھو
بھری بزم سے تم اُٹھاتے تھے اکثر
لحد سے مجھے اب اٹھا کر تو دیکھو
مری تر زبانی کا شکوہ تمہیں تھا
مری خامشی کو اب آکر تو دیکھو
نہ کھائے گا غش مثلِ موسیٰ یہ کُندنؔ
اِسے اپنا جلوہ دِکھا کر تو دیکھو

نظر آتا ہے اب سارا جہاں اپنا وطن ساقی

اُجڑ جانے کو ہے تیار تیری انجمن ساقی
کہ ہوتے جا رہے ہیں رندِ مے خانہ شکن ساقی

نہ وہ مذہب، نہ وہ مسلک، نہ وہ رندی نہ وہ مستی
کہ تائب ہو گیا ہوں میں یہ ہے میرا چلن ساقی

ترے مے نوشوں نے بدلی ہے طرزِ زندگی اپنی
تجھے ہی اب مبارک ہوں رسوماتِ کہن ساقی

نکل آئے ہیں تیرے میکدے سے بن پئے میکش
کہ اب جینا انہیں آیا نہیں اب وہ گھٹن ساقی

زمانے کا تقاضا ہے کہ اب ہوں بند میخانے
نئی تنویر لائی ساتھ سورج کی کرن ساقی

ہمیں اس وقت لازم ہے کہ ہٹ کر جام و مینا سے
حفاظت میں وطن کی باندھ لیں سر پر کفن ساقی

زمانے کے حوادث نے اسے درسِ جنوں بخشا
جو تھا توبہ شکن مے کش ہے اب ساغر شکن ساقی

فقط مے خانہ ہی کو کس لئے اپنا وطن سمجھیں
نظر آتا ہے اب سارا جہاں اپنا وطن ساقی

کبھی آنکھوں میں رقصاں تھی عروسِ بادۂ رنگیں
مگر اب اس میں موجِ زندگی ہے موج زن ساقی
نہ جانے کیوں ملا کر خاک میں سامانِ مے نوشی
کہاں اب لے چلا مجھ کو مرا دیوانہ پن ساقی
مجھے کہتے ہیں کندن مے کدے سے کیا غرض مجھ کو
مبارک ہو تجھے ہی اب تری یہ انجمن ساقی

قطعات

زندگی کس کام کی تھی زندگی کس کام کی
ہر طرح فرحت تو تھی دِل میں مگر نزہت نہ تھی
زندگانی کا مزہ تجھ کو ہی پانے سے مِلا
زندگی سے اس قدر پہلے مجھے اُلفت نہ تھی

تیرا آذر دیکھ کر حیران ہے
قابلِ تحسین ہے تیرا جمال
سوچتا ہے کس طرح حاصل ہوا
آذری کا یہ اُسے پختہ کمال

اشک آلود ہیں میرے جذبات
کیسے گزریں یہ مضطرب دن رات
تجھ سے ملنے کی جو تمنّا ہے!
کاش پیدا ہوں اُس کے امکانات

کرن سحر کے اُجالوں سے کھیلتی آئی

غم و الم میں میرے جب بھی کچھ کمی آئی
دلِ حزیں سے صدائے شکستگی آئی

جفا و جور تو اُن کے رہے عزیز ہمیں
کہ راسِ عشق میں اُن کی یہ دل لگی آئی

پسند کرنے لگے کجروی وہ الفت میں
کہ دربدر انہیں کرنے کو گم رہی آئی

وفا کی بات تھی مجبور تھے نہ ہم ہرگز
ہمیں بگڑنے پہ اُن کے نہ برہمی آئی

غشی کے حال میں صبر و سکوں میسّر تھا
جو ہوش آیا قیامت کی بے کلی آئی

نوشت اُن کی نمایاں تھی ہر طرح لیکن
سوال یہ ہے کہ تفسیر کیوں خفی آئی

ازل سے بخشا گیا جب ہمیں وفا کا چلن
بتوں کے حصّے میں طرزِ ستم گری آئی

وہ آگئے تو شبِ تارِ غم میں اے کُندن
کرن سحر کے اُجالوں سے کھیلتی آئی

چوما اُس نے عذارِ آزادی

جو کہ تھے جاں نثارِ آزادی — وہ ہوئے ہم کنارِ آزادی

طالبِ حرّیت ہوا دل شاد — چوُما اُس نے عذارِ آزادی

شورِ شہنائی ہے ہر اک جانب — ہے ہر اِک نغمہ بارِ آزادی

جن کو معلوم ہے مآلِ حیات — ہیں وہی رازدارِ آزادی

جھُوم اُٹھے وطن کے مستانے — رقص میں ہے دیارِ آزادی

جو نہیں مست جامِ حرّیت — جانیں کیا وہ خمارِ آزادی

آج کُندن مہک اٹھا ہے کیا
گلشنِ عطر بارِ آزادی

جانے کہاں وہ میری تمیز نظر گئی

اُن کی نگاہِ ناز بڑا کام کر گئی
آنکھوں کی راہ سے مرے دل میں اُتر گئی

جب کھل رہے تھے پھول گلستاں میں چارسو
اُس وقت میری چشمِ تماشہ کدھر گئی

جو جانتی تھی ادنیٰ و اعلیٰ کے فرق کو
جانے کہاں وہ میری تمیزِ نظر گئی

میرے گلِ حیات کو مرجھا گئی ہے جو
وہ بادِ تیز و تند نہ جانے کدھر گئی

بچپن کا عہد، عہدِ مسرت تھا اے خدا
وہ کیا گیا کہ مجھ پہ قیامت گزر گئی

مجھ کو فریبِ عشق نے الجھا کے رکھ دیا
میری وہ انتہائے تمنا کدھر گئی

کندن شراب پینے کی حاجت رہی نہ کچھ
سرمست، مستِ ناز کی ہر بات کر گئی

نامِ اُن کا کیسے آئے وفا کی کتاب میں

ایسی لطافتیں ہی کہاں ہیں گلاب میں
جیسی کہ جلوہ گر ہیں تمہارے شباب میں
جامِ سفال میں پئیں یا جامِ جم میں ہم
لطف و سرور یکساں ملے گا شراب میں
راہِ وفا میں پہلی سی وہ مستیاں کہاں
ہر ہر قدم پہ جان ہے اب اضطراب میں
جتنا کسی کا ظرف تھا ساقی نے دی اُسے
خسّت روا ہے کس لئے میرے حساب میں
مسجد کی سوچتے ہیں جو مندر میں بیٹھ کر
نامِ اُن کا کیسے آئے وفا کی کتاب میں
کُندنِ گناہ میں ہیں جو کیفیتیں نہاں
وہ کیف وہ سرور کہاں ہے ثواب میں

وہ خواب میں بھی تو رُخ پر لئے نقاب ملے

جمودِ قوم کو اے کاش اضطراب ملے
ہر ایک کام میں بھی اس کے انقلاب ملے

"تری نگاہ سے ہم کو اگر شراب ملے"
بہت بجا ہے نہ تاخیر ہو شتاب ملے

ترے خمیر میں ہے ایک شوقِ بیتابی
قدم قدم پہ تجھے کیوں نہ اضطراب ملے

مرے نصیب میں دیدِ جمالِ یار کہاں
وہ خواب میں بھی تو رُخ پر لئے نقاب ملے

ہوئی ہے خاک سے تیری اگرچہ پیدائی
مگر تماشے کو مہتاب و آفتاب ملے

مرے گناہوں کی جب مل رہی ہے مجھ کو سزا
تو کارِ نیک کا بھی کچھ مجھے ثواب ملے

تری خاموشی کا مطلب سمجھ نہ لیں کچھ اور
سوالیوں کو "نہیں ہاں" کچھ جواب ملے

برا ہو وقت کی تنگی کا کر سکا نہ میں بات
ملے وہ جب بھی مجھے پاؤں در رکاب ملے
دلِ حزیں کو ملا کرتا تھا سکوں جن سے
طرح طرح کے انھیں سے اُسے عذاب ملے
یہ اپنے اپنے عمل کا بدل ہے اے کُندنؔ
کِسے عذاب ملے اور کِسے ثواب ملے

کسی دل میں خوئے محبت نہیں ہے

جو ثروت کے نشّے میں ہیں چور انساں
ذرا سی بھی ان میں مروّت نہیں ہے
زمانے کی تلخی کا کیسا اثر ہے
کسی دل میں خوئے محبت نہیں ہے
الٰہی زمانے کو کیا ہو گیا ہے
شریفوں میں بھی اب شرافت نہیں ہے
اِکنّی کی خاطر لہو بہہ رہا ہے
حقیقت ہے مانو حکایت نہیں ہے
کسی کا لہو اب پکارے بھی کیسے
کسی خون میں اب حرارت نہیں ہے
سرِ راہ اُچکّے گرہ کٹ ہیں پھرتے
کسی میں پکڑنے کی جراُت نہیں ہے
مجھے قید اس نے کیا اپنے دل میں
کوئی اس سے بڑھ کر حراست نہیں ہے
اِدھر کی اُدھر کی جو کہتے ہو کندن
تمہارے سخن میں صداقت نہیں ہے

فکرِ روزی میں نکل آئے قلندر کتنے

مُسلم و ہندو و باہم رہتے ہیں کھنچ کر کتنے
اور بُت خانے ہیں مسجد کے برابر کتنے

اب نہ وہ دل ہے نہ دم ہے نہ وہ سَر میں سودا
ورنہ اس چشمِ تماشا میں ہیں دلبر کتنے

گردشِ وقت نے بدلا ہے یوں اب انکا شعار
فکرِ روزی میں نکل آئے قلندر کتنے

اہلِ دُنیا نے دھرے کان نہ اُن کی جانب
لے کے پیغام تیرا آئے پیمبر کتنے

ہو نہ ہو آئینہ رُو کوئی تو گزرا ہے ابھی
ہر طرف اہلِ دل پھرتے ہیں ششدر کتنے

یاس و اُمید کے مارے ہوئے گِردُوں کی طرح
"رات بھر رُوپ بدلتا ہے سمندر کتنے"

یہ اشرف المخلوق نہیں ہیں بدتریں حیوانوں سے

اس دور میں جب انسانوں کو نفرت سی ہے انسانوں سے
یہ اشرف المخلوق نہیں ہیں بدتریں حیوانوں سے
وہ کون تھے کیسے انساں تھے جن کی عظمت کے آگے
اللہ نے سجدہ کروایا شیطانوں سے رضوانوں سے
جب بجلی کرتی ہے چشمک کھیتوں سے کھلیانوں سے
کیا دل پہ اُن کے گزرتی ہے پوچھے تو کوئی دہقانوں سے
اُلفت کو دل میں پالا تھا کس شوق سے کن ارمانوں سے
اب دل کو تشفّی دیتا ہوں اے دوست تیرے افسانوں سے
احسان اُٹھانے جاتا ہے جو، جھک جاتا ہے اُس کا سَر
احسان سے بڑھ کر بوجھ نہیں کہتے ہیں دبے احسانوں سے
ہم دیش کی عزّت کی خاطر قربان کریں سو جانوں کو
سیکھا ہے سبق یہ اے کندن آزادی کے دیوانوں سے

کچھ اور ہی شے ہے وہ جوانی تو نہیں ہے

یکتا ہے تو کوئی تیرا ثانی تو نہیں ہے
اوروں کی طرح تیری کہانی تو نہیں ہے

دُنیا میں تو بے شک ہے وفا کا میری چرچا
کچھ قدر میری آپ نے جانی تو نہیں ہے

جاں اپنی حسینوں پہ فدا کرتا چلا جا
یہ بات کوئی ننگِ جوانی تو نہیں ہے

جاتے ہوئے اتنا تو بتا دے مجھے قاصد
پیغام کوئی اور زبانی تو نہیں ہے

دن رات حسینوں پہ جو قربان ہو کُندن
کچھ اور ہی شئے ہے وہ جوانی تو نہیں ہے

وہ جس نے بھی لہو سے اپنے سینچا اس گلستاں کو

وہ جس کی ذات پر تھا ناز کتنا اس گلستاں کو
غضب ہے خضر بن کر اس نے لوٹا اس گلستاں کو

نہ آنکھوں میں. بچے جب پھول کلیاں بھی مسل ڈالیں.
جو کی کانٹوں نے یورش بیچ ڈالا اس گلستاں کو

ہماری. طور کی جانب نظر جاتی تو کیا جاتی
بنا تھا شعلہ ہر اک گل جو دیکھا اس گلستاں کو

نہ ظلمت بن کے لوٹ اے دوست رونق اس گلستاں کی
مجسم نور بن جا اور چمکا اس گلستاں کو

سلام اس کو میرا کندن سلام اس کو میرا کندن
وہ جس نے بھی لہو سے اپنے سینچا اس گلستاں کو

جو بنے تھے منارِ آزادی

کھل گیا لالہ زارِ آزادی
ہے چمن میں بہارِ آزادی

ساقی حریت ہمیں بھی پلا
ہم بھی ہیں مے گسارِ آزادی

ان کو پہنچے میرا سلام اے دوست
جو ہوئے ہیں نثارِ آزادی

ہے وطن میں یہ روشنی اُن کی
جو بنے تھے منارِ آزادی

اُن کو سجدہ کرو وطن والو
وہ جو تھے مست کارِ آزادی

جھک رہے ہیں سر اُن کی عزت میں
ہے یہی افتخارِ آزادی

جس کی دل کو تھی آرزو کندن
ہے یہی وہ نگارِ آزادی

یارب مریضِ عشق و وفا کو شفا ملے

ہر سو اٹھے ہوئے ہمیں دستِ دعا ملے
یارب مریضِ عشق و وفا کو شفا ملے
مانگی اُٹھا کے ہاتھ یہ غیروں نے بھی دُعا
درد اس کا لا دوا ہے خدایا شفا ملے
ہے اقتضائے وقت کا اُن پر اثر ضرور
پیرِ مُغاں کے ساتھ ہمیں پارسا ملے
اس چرخِ کینہ توز نے بس کر دیا جُدا
باہم اگر کہیں اسے چند آشنا ملے
ایمائے غیر پر وہ بھڑک اُٹھے اور بھی
جیسے کہ جلتی آگ کو چلتی ہوا ملے
تیرے حضور میں ہے یہ کُندن کی التجا
یارب اُسے اجابتِ دستِ دُعا ملے

ہر شخص کو مایوس سوا دیکھ رہا ہوں

کیا پوچھتے ہو مجھ سے کہ کیا دیکھ رہا ہوں
"دنیائے محبت کی ہوا دیکھ رہا ہوں"
اس چارہ گرِ عشق کے الطاف میں پنہاں
بیمارِ محبت کی دوا دیکھ رہا ہوں
بدلا ہوا میخانے میں رندوں کا چلن ہے
ہر ایک کو خاموش کھڑا دیکھ رہا ہوں
وہ بزم جہاں جام کھنکتے تھے ہمیشہ
بدلی ہوئی آج اُس کی فضا دیکھ رہا ہوں
وہ یاس کی افراط ہے اس دور میں کندنؔ
ہر شخص کو مایوس سوا دیکھ رہا ہوں

آغاز میں نظر ہمیں انجام آگیا

دل میں جونہی خیال کوئی خام آگیا
آغاز میں نظر ہمیں انجام آگیا

جب آپ کا زباں پہ مری نام آگیا
خود حق میں میرے دورۂ ایام آگیا

جام شراب ساقی سے چھینا ہے غیر نے
مجھ پر تو خواہ مخواہ کا الزام آگیا

قسمت سے میں تے منزلِ مقصود پا تو لی
مقصد کو پا سکا نہ میں ناکام آگیا

بے خود سے ہو کے سجدے میں کندن بھی گر پڑے
جس دم نظر وہ ماہ سر بام آگیا

ہوں عشق کا بیمار مجھے دیوانہ بنا دے

اللہ خردمند نہ فرزانہ بنا دے
ہوں عشق کا بیمار مجھے دیوانہ بنا دے

ہے لطف جسے پی کے رہے ہوش نہ قائم
کچھ ایسی پلا دے کہ جو مستانہ بنا دے

مستی سے بھری ہے وہ نظر ہیں تیری ساقی
ڈرتا ہوں نہ مجھ کو بھی وہ مستانہ بنا دے

ساقی ترے میخانہ میں واعظ کا ہے کیا کام
میخانہ کو ویرانہ نہ دیوانہ بنا دے

میں اس لئے اظہار وفا کرتا نہیں ہوں
ڈرتا ہوں کوئی اس کا نہ افسانہ بنا دے

وہ حسن کی آنکھیں ہیں کہ میخانہ ہے گندن
اللہ مرے دل کو بھی پیمانہ بنا دے

ویسا تو دُرِ ناب کہیں پا نہیں سکتا

جب آرزو اس شوخ کو بتلا نہیں سکتا
تو گوھرِ مقصود کو بھی پا نہیں سکتا
آیا تھا تیرے ہاتھ میں جو گوہرِ نایاب
ویسا تو دُرِّ ناب کہیں پا نہیں سکتا
صانع نے تجھے ایسا بنایا ہے جہاں میں
پھر چاہے بنانا تو بنا پا نہیں سکتا
مر مر کے یہ در پر ترے آ پہنچا ہے اب تو
دیوانہ تیرا لوٹ کر اب جا نہیں سکتا
ہے تیرے خیالات میں کھویا ہوا کُندن
مدہوش تیرا ہوش میں اب آ نہیں سکتا

سر بخم مقتل میں ہوں خنجر کفِ قاتل میں ہے

کس قدر یہ وصفِ اعلیٰ ساقیِ محفل میں ہے
دیتا ہے مئے اس قدر جتنی تمنّا دل میں ہے
دیکھئے کیا رنگ لاتی ہے مری تقدیر آج
سر بخم مقتل میں ہوں خنجر کفِ قاتل میں ہے
لے کے تیشہ ہاتھ میں فرہاد نے کاٹا پہاڑ
یعنی رازِ کامیابی ہمتِ کامل میں ہے
فاصلے بڑھ جائیں یارب منزلیں ہوں دُور تر
"لذّتِ صحرا نوردی دوری منزل میں ہے"
سب غلط کہتے ہیں وصلِ یار کو وجہِ سکوں
بے قراری کا سبب یہ تو دلِ بسمل میں ہے
مجنوں و فرہاد کے دل میں کہاں تھی یہ تڑپ
جو تڑپ الفت کی اے کندن ہمارے دل میں ہے

سیارگاں کی چال پہ دار و مدار ہے

اے چشمِ شوق کس کا تجھے انتظار ہے
ہر وقت ہر گھڑی جو دل و جاں پہ بار ہے
وعدوں کا تیرے ہم کو یقیں آئے بھی تو کیا
وعدہ شکن بہت ہے تو بے اعتبار ہے
پیتا ہے کتنی آپ پلاتا ہے کتنے جام
یہ تو ہر اِک کے ظرف پہ دار و مدار ہے
وہ صاحبِ خرد ہو کہ اہلِ ہُنر ہو وہ
ہر ایک آدمی کو غمِ روزگار ہے
اہلِ نظر ہو، اہلِ زباں ہو کہ اہلِ دل
دُنیا یہ جانتی ہے کہ بے اختیار ہے
کُندنؔ خبر کسے ہے کہ کیسا رہے یہ سال
سیّارگاں کی چال پہ دار و مدار ہے

ہوں گے یوں بے دست و بے پا یہ کبھی سوچا نہ تھا

بگڑے گا دُنیا کا شیوہ یہ کبھی سوچا نہ تھا
کھائیں گے اپنوں سے دھوکا یہ کبھی سوچا نہ تھا

ہم تھے ان میں سے جنھیں تھا اپنی شہہ زوری پہ ناز
ہوں گے یوں بے دست و بے پا یہ کبھی سوچا نہ تھا

نا اُمیدی کے کنارے پر ہوئے غرقاب ہم
ڈوبے ساحل پر سفینا یہ کبھی سوچا نہ تھا

جن لبوں پر قہقہے تھے خامشی سی چھا گئی
ہو گا یوں بے کیف جینا یہ کبھی سوچا نہ تھا

قلبِ گندن سے اُمیدیں یک بیک جاتی رہیں
حسرتوں میں دَم گھٹے گا یہ کبھی سوچا نہ تھا

نظر میں وہ جب برق پارا نہ تھا

نظر میں وہ جب برق پارا نہ تھا
تو یوں مضطرب دل ہمارا نہ تھا
جنہیں ہم یہاں اپنا کہتے رہے
خدا کی قسم کوئی اپنا نہ تھا
گئی تھی یونہی بات مُنہ سے نکل
میرے دل کا ہرگز یہ منشا نہ تھا
کسی اور کو دیکھتی کیا نظر
"بھری بزم میں کوئی تجھ سا نہ تھا"
تمہیں دیکھ کر اُس پہ آیا یقیں
کبھی معتقد میں خُدا کا نہ تھا
نہ تھا تُو نظارے تھے سب دل شکن
کوئی بھی نظارہ دل افزا نہ تھا
یہی بات کُندن تھی پیشِ نظر
جو اُن کا نہ تھا وہ ہمارا نہ تھا

ایسا بھی کوئی جام دے پیرِ مغاں مجھے

بے تاب کر نہ اتنا تو شوقِ نہاں مجھے
دیکھوں اُسے میں تابِ نظارہ کہاں مجھے

نکلا تلاشِ یار میں تو خود کو کھو دیا
آئیں نہ راس بادیہ پیمایاں مجھے

پی کر جسے میں ہوش میں آؤں نہ تا ابد
ایسا بھی کوئی جام دے پیرِ مغاں مجھے

لے کر چلی تو ہے مجھے تو اے اجل یہاں
ڈھونڈے اگر یہ زیست تو ڈھونڈے کہاں مجھے

کُندنؔ ازل کے روز سے میں حسن پرست ہوں
آتش پرست کیوں کہیں اہلِ جہاں مجھے

پیمانِ وفا وہ بھول گئے اب عہد دوبارا کرتے ہیں

اُن کے ہر ظلم و ستم پر جب ہم جان کو وارا کرتے ہیں
اوروں پہ کریں وہ جور و جفا ہم کب یہ گوارا کرتے ہیں
ہم جان بھی قرباں کرتے ہیں جس دم وہ اشارا کرتے ہیں
یہ بات خدا ہی جانے وہ کیوں ہم سے کنارا کرتے ہیں
یہ ان کی ادا کا عالم ہے ہم ٹک ٹک دیکھتے ہیں ان کو
وہ ہیں کہ اشارا کرتے ہیں ہم ہیں کہ نظارا کرتے ہیں
میں کہتا رہتا ہوں ان کو یہ ناگ ہیں ان کو مت چھیڑو
میں ڈرتا رہتا ہوں جب وہ زلفوں کو سنوارا کرتے ہیں
اے کندن اب تو ہی یہ بتا کیا کرنا ہم کو واجب ہے
پیمانِ وفا وہ بھول گئے اب عہد دوبارا کرتے ہیں

لوٹ آؤں گا میں ناکام یہ معلوم نہ تھا

ہوں گے ہم عشق میں بدنام یہ معلوم نہ تھا
ہوگا اُلفت کا یہ انجام یہ معلوم نہ تھا
تھی اُنھیں اپنی جوانی کی نمائش منظور
کیوں نکلتے تھے سرِ شام یہ معلوم نہ تھا
عشق میں تو بھی بنے گی دل و جاں کی دشمن
مجھے اے گردشِ ایام یہ معلوم نہ تھا
آپ کی زلفِ مُعنبر نے کیا تھا مدہوش
کرے گی بادہ کا وہ کام یہ معلوم نہ تھا
ہم تو کرتے ہی رہے شام کو دیدارِ ہلال
بدر آیا تھا سرِ بام یہ معلوم نہ تھا
ہم لڑکپن سے جوانی میں جو ہوں گے داخل
دل میں مچ جائے گا کہرام یہ معلوم نہ تھا
آستاں پر ترے پہنچا تھا اُمیدیں لے کر
لوٹ آؤں گا میں ناکام یہ معلوم نہ تھا
بے وفا غیر نے کہنا تھا کہا اے کُندن
وہ بھی دیں گے یہی الزام یہ معلوم نہ تھا

یوں چلن میں فوقیت پیدا کرو

شعر میں کچھ شعریت پیدا کرو
ہر غزل میں غزلیت پیدا کرو
ماند پڑ جائے ضیائے آفتاب
یوں چلن میں فوقیت پیدا کرو
آدمیت سا نہیں دُنیا میں کچھ
خود میں تم انسانیت پیدا کرو
آئے ہو دُنیا میں کچھ کرتے رہو
کیوں فقط رہبانیت پیدا کرو
ہر قدم پر دل شکن ہیں حسرتیں
دل میں تم کچھ تقویت پیدا کرو
وہ اگر کرنے لگا جور و جفا
دل میں اُن کے اُنسیت پیدا کرو
دردِ دل کی چاہتے ہو گر دوا
دردِ دل سے اُنسیت پیدا کرو
درد سے خالی تمہارا ہے کلام
کُندنؔ اس میں خاصیت پیدا کرو

لیتا ہوں جب کہ نام تمہارا کبھی کبھی

کرتے ہیں پیار کا وہ اشارا کبھی کبھی
ہوتا ہے شاد دل یہ ہمارا کبھی کبھی

اُلفت میں یہ غذا ہے دلِ نامراد کی
کرتا ہے صرف غم پہ گزارا کبھی کبھی

ہم نے بھی چشمِ شوق بچھائی ہے راہ میں
آیا کرو ادھر بھی خدارا کبھی کبھی

یاد آتی ہیں مجھے سبھی ماضی کی عشرتیں
لیتا ہوں جب کہ نام تمہارا کبھی کبھی

عشق و وفا کی راہ میں گرنے نہ پائیں ہم
دیتے رہیں جو آپ سہارا کبھی کبھی

دل مثلِ مُرغ میرا تڑپتا ہے اس گھڑی
کرتے ہو تم جو اُس سے کنارہ کبھی کبھی

کرتا رہا ہے ترکِ ملاقاتِ مہ وشاں
کُندنؔ نے یہ اُٹھایا خسارا کبھی کبھی

پھر مست نظر سے ہمیں مستانہ بنادے

بے خود مجھے اے نرگسِ مستانہ بنادے
مستانہ نہیں تو مجھے دیوانہ بنادے

صیّاد مرا طائرِ دل جلووٴں سے خوش ہو
گلشن میں سرِ شاخ اُسے کاشانہ بنادے

تکلیف نہ کچھ شیخ کو آنے کی ہو ساقی
مسجد کی بغل میں کوئی میخانہ بنادے

نیکی میں تاخیر ہے کیوں چارہ گرِ عشق
بیمار شفا پائیں شفا خانہ بنادے

ساقی نظر آتی ہے اُترتی ہوئی مستی
پھر مست نظر سے ہمیں مستانہ بنادے

کُندن کی زباں پر تھا فقط حرفِ محبت
تو چاہے تو اس حرف کو افسانہ بنادے

ہوئے ہیں بازباں ہم بے زباں سے

نہ ہو مایوس سعیٔ رائیگاں سے
پلٹ کر دیکھ ماضی کو یہاں سے

یہاں ہم آئے تو آئے کہاں سے
کہاں جانا ہے اب ہم کو یہاں سے

کہاں تہذیب نے پہنچایا ہم کو
ہوئے ہیں بازباں ہم بے زباں سے

بڑے باحوصلہ اہلِ وفا ہیں
ڈریں گے کس لئے وہ امتحاں سے

بسر کی عمر کانٹوں میں جنہوں نے
وہ ڈرتے ہی نہیں ظلمِ خزاں سے

یہاں سے جو گیا ملکِ عدم کو
نہ آیا لوٹ کر پھر وہ وہاں سے

کوئی کیا درد بانٹے گا کسی کا
محبت اٹھ گئی ہے درمیاں سے

کئے اپنے کا پھل میں پا رہا ہوں
گلہ شکوہ عبث ہے آسماں سے

جنوں میں چاک کرتا ہوں گریباں
عمل سیکھا ہے یہ دستِ خزاں سے

عدو سے دوستی کر لی ہے ہم نے
یہ کیا سنتا ہوں میں اُن کی زباں سے

وہ کہتے ہیں رہو خاموش گُلدان
کہ ہم تنگ آئے تیری داستاں سے

ہو جاؤں گا میں حاضر اک بار اشارا کر

لازم ہے محبت میں ہر بات گوارا کر
اُلفت جو نہیں تجھ کو تو صاف کنارا کر
حائل ہے خودی بے شک ہاں عہد یہ کرتا ہوں
ہو جاؤں گا میں حاضر اک بار اشارا کر
تقصیر نہیں تیری قسمت تھی مری ایسی
بھولا ہے جو پیماں تو پھر اس کو دوبارا کر
خوشیوں کے گزرنے پر غم نے بھی تو آنا تھا
بھاری ہے غم ہجراں پھر بھی تو سہارا کر
دن رات تڑپتا ہوں دل پر بھی نہیں قابو
حکم اُن کا یہ ہے ہم کو کچھ دیر سہارا کر
میں عشق کی عظمت کو سمجھا ہی نہیں اب تک
ہو عشق مجھے تجھ سے کچھ ایسا اشارا کر
بگڑی ہوئی قسمت کو کُندن جو بنانا ہے
بکھرے ہیں جو مرے گیسو تو اُن کو سنوارا کر

آئے دن دیتے ہیں پیماں کی وہ سوغات نئی

اہلِ اُلفت کے لئے یہ نہیں کچھ بات نئی
ان کے سر آتی ہیں ہر روز ہی آفات نئی

خُم و مینا بھی نئے، ساقی و ساغر بھی نئے
آج میخانہ کی ہے صورتِ حالات نئی

آئے دن وعدہ نیا قول نیا عہد نیا
آئے دن دیتے ہیں پیماں کی وہ سوغات نئی

میں نیا ہوں یہ مرا دردِ نہاں بھی ہے نیا
کوئی تجویز دوا اس کی ہو حضرات نئی

دل کے سوکھے ہوئے زخموں کو بھی جو کر دے ہرا
نئے انداز سے آئی ہے یہ برسات نئی

خستہ و کہنہ مکانوں کی طرف بھی دیکھو
دیکھتے کیا ہو فلک بوس عمارات نئی

کون کر لیتا ہے حاجات کو پیدا کُندن
پیدا کر دیتا ہے ماحول ہی حاجات نئی

نہیں ہو کم فصلِ گل سے تم بھی تمہارا آنا بہار سا ہے

یہ دستِ وحشت بھی لیتے لیتے میں کس قدر ہوشیار سا ہے
جو پھاڑ ڈالا ہے اس نے دامن تو جیب بھی تار تار سا ہے
تم آ گئے ہو تو غنچہ غنچہ ریاضِ دل کا چٹک اٹھا ہے
نہیں ہو کم فصلِ گل سے تم بھی تمہارا آنا بہار سا ہے
جدھر بھی دیکھا وطن میں اپنے اداس پایا ہے ہر بشر کو
نہ جانے کیا غم ہے ان کے دل میں ہر اک بشر سوگوار سا ہے
شراب و مینا و جام و ساقی کی کچھ ضرورت نہیں ہے اب تو
نظر سے ان کی پیئے ہوئے ہیں ہمارے سر میں خمار سا ہے
یہ کون کرتا ہے یاد مجھ کو جو آج ہچکی بندھی ہوئی ہے
قرار دل کا ہے کس نے چھینا ہوا جو دل بے قرار سا ہے
فضا فضا ہو گئی معطر یہ نکہتِ خوش ہے کس بدن کی
یہ کس کی جھانجھن کی ہیں صدائیں یہ کس نے چھیڑا ملار سا ہے
بھلائے ہیں باغباں نے کندن طریق و اطوارِ باغبانی
"چمن چمن میں روش روش پر شجر شجر سوگوار سا ہے"

کئی ماہ وش ضوفشاں اور بھی ہیں

ابھی گنجِ مخفی یہاں اور بھی ہیں
زمیں میں کنوزِ نہاں اور بھی ہیں

قناعت دو عالم پہ ممکن نہیں ہے
چمن اور ہیں آسماں اور بھی ہیں

چراغِ سرِ رہ کے بجھنے کا غم کیوں
"مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں"

تری دشمنی کا گلہ کس لئے دوست
علاوہ تیرے مہرباں اور بھی ہیں

تری ہی تجلّی نہیں اک یہاں دوست
کئی ماہ وش ضوفشاں اور بھی ہیں

منوّر ہوا نورِ حق سے مرا دل
منوّر اُسی سے جہاں اور بھی ہیں

ریاضِ اِرم میں میں تنہا تھا کُندن
یہاں اُس کے کیوں رازداں اور بھی ہیں

اب کون بشر مجبور نہیں دل کونسا غم سے چور نہیں

جب دُنیا والوں کے دل میں ہمدردی کا کچھ نور نہیں
ہیں دُور وہ نعمتِ جنت سے دوزخ کی آگ سے دور نہیں۔
گو غم کے بادل آئے ہیں تا حدِ نظر کچھ نور نہیں
آزارِ سفر منظور ہمیں آرام سفر منظور نہیں۔
میں اہلِ سیاست سے یارو اتنی سی گزارش کرتا ہوں۔
وہ مکرِ ریا سے دُور رہیں اب روزِ جزا کچھ دور نہیں۔
ناصح کی نصیحت ٹھیک مگر کیوں کان دھرے کوئی اس پر۔
جب اُس کی خشک سی باتوں سے دل شاد نہیں مسرور نہیں
اے اہلِ ستم دیکھو تو ذرا اب تم نہ کرو یہ ظلم روا
اب کون بشر مجبور نہیں دل کونسا غم سے چور نہیں
جب وار کیا تو نے ان پر تو جان کا شکوا دور ہوا۔
اس دل کو شکایت باقی ہے کیوں وار ترا بھرپور نہیں
اس نفع وضرر کی دُنیا میں کُندن کی فقط یہ تمنا ہے
اپنوں کا ہو یا غیروں کا نقصان اس کو منظور نہیں۔

کشش تیری زمیں سے کم نہیں ہے

اُدھر جوشِ حرارت کم نہیں ہے
اِدھر میری کمر بھی خم نہیں ہے

بہت مشکل ہے اپنے کو سمجھنا
خدا کو جاننے سے کم نہیں ہے

ازل سے مٹ رہے باغ و گلستاں
تری محفل کی رونق کم نہیں ہے

تصور میں کھنچا آتا ہوں تجھ تک
کشش تیری زمیں سے کم نہیں ہے

جو ہے احساسِ غم تو غم ہے دائم
نہیں احساسِ غم تو غم نہیں ہے

حوادث زندگی میں آئے ایسے
کہ باقی زیست میں دم خم نہیں ہے

میرا جب ہو گیا برباد سب کچھ
لُٹے گا اب نہ کچھ بھی غم نہیں ہے

ابھی جلوہ گری اُس کی نہ دیکھو
ابھی تو چاند کی پُو تم نہیں ہے

نظام ایسا چلا رکھا ہے کس نے
جواب تک درہم و برہم نہیں ہے

ہوئے ہو تم اسیرِ زُلف کُندن
غلط کہتے ہو یہ عالم نہیں ہے

منانے نکلے ہیں نادار ہولی

جب آ کر ہوتی ہے گل بار ہولی
کھلا دیتی ہے لالہ زار ہولی
لئے ہاتھوں میں ہیں پچکاریاں سب
منانے کو ہوئے تیار ہولی
بہت بے تاب ہیں گلشن میں گل بھی
مناتے ہیں گل و گلزار ہولی
نہیں زردار کا اس پر اجارا
منانے نکلے ہیں نادار ہولی
فضا ساری معطر ہو گئی ہے
ہوئی ہے اس قدر گل بار ہولی
کٹورے بھر گئے پھولوں کے گُندن
ہوئی اس طرح شبنم بار ہولی

وقت کہتا ہے کہ اب نادار لے زردار سے

جب سے رُوٹھا ہے وہ مجھ سے باہمی تکرار سے
گفتگو کرتا ہوں اکثر میں در و دیوار سے

آج تک زردار تو مفلس سے زر لیتا رہا
وقت کہتا ہے کہ اب نادار لے زردار سے

چشمِ ساقی کی عنایت ہو نہ ہو مجھ پر مگر
میں ہمیشہ مست ہوں محبوب کے دیدار سے

گفتگوئے نرم سے جھگڑے سُلجھتے ہوں اگر
فیصلہ اُن کا کریں کیوں تیغ سے تلوار سے

آبرو جاتی رہی پھر ہر کسی کے سامنے
اہلِ مشرق گر گئے جب مشرقی کردار سے

آدمی کا آدمی دشمن بنا ہے کس لئے
پیش آتے ہیں بیک دیگر وہ کیوں پیکار سے

آدمی پہچاننا کُندنؔ ذرا مشکل نہیں
ہاں پرکھنا ہے عمل سے چال سے گفتار سے

درست کرنا ہے گلشن کا کاروبار مجھے

خبر دے آنے کی شہزادئ بہار مجھے
درست کرنا ہے گلشن کا کاروبار مجھے

ابھی ہے حسرتِ نظارۂ بہار مجھے
بہار آئے تو اے دوست پھر پکار مجھے

کوئی گناہ نہ شرمندہ کر سکا یارب
ترے کرم نے کیا سخت شرمسار مجھے

شراب نوش نہ تھا میں تھا ایک زاہدِ خشک
بنا دیا تری نظروں نے مے گسار مجھے

کہاں حبیب کے کوچے میں خاکسار کو بار
اُڑا کے لے گئی گُندن ہوائے یار مجھے

جو حسن کی محفل میں دن ہم نے گزارے ہیں

"پھر گردشِ دوراں نے کچھ فتنے ابھارے ہیں"
کیا جانیئے اب کیا ہو گم ہوش ہمارے ہیں
گل رُخ ہو کہ مہ رُو ہو خوش گو ہو کہ خوش خو ہو
سفاک و ستم پرور یہ سارے کے سارے ہیں
نرم اُنگلیوں سے اپنی زلفوں کو سنوارو تم
کیا دیکھتے ہو شانے آرے ہیں یہ آرے ہیں
ہر شب جو چمکتے ہیں گردوں پہ مہ و اختر
یہ تو مری آہوں کے شعلے ہیں شرارے ہیں
مُنہ دیکھتے رہتے ہیں ہر وقت ہمارا ہی
پتھر کے یہ بُت ہم نے شیشے میں اتارے ہیں
یہ بات خدا جانے پار اُتریں کہ ڈوبیں وہ
بیڑے جو محبت کے دریا میں اُتارے ہیں
بھولیں ہیں نہ بھولیں گے تا عمر ہمیں کُندن
جو حسن کی محفل میں دن ہم نے گزارے ہیں

سمجھتا ہوں فطرت کے نازک اشارے

تمنا جائیں کہیں اور سجدے گزارے
مگر ہو سکے وہ نہ ہرگز ہمارے

بنو تم ہمارے بنیں ہم تمہارے
محبت کی دنیا میں ہوں وارے نیارے

نہ بھولیں گے تا عمر احساں کسی کا
جیئے جا رہے ہیں کسی کے سہارے

وہ سنتے نہیں بات تک جب کسی کی
کوئی شیشے میں کیسے ان کو اتارے

کسی روز منزل قدم چوم لے گی
بڑھا جائے انساں ہمت نہ ہارے

نہ آئے تھے تم باغِ دنیا میں جبتک
کہاں تھیں بہاریں کہاں تھے نظارے

خدا نے عطا کی مجھے وہ بصیرت
سمجھتا ہوں فطرت کے نازک اشارے

ادھر آؤ آکر میرے پاس بیٹھو
دل و جاں میں صدقے اتاروں تمہارے

دکھا دے گی سب رشتہ داری ہے کُندن
نہ تم ہو ہمارے نہ ہم ہیں تمہارے

وہ دیش ہے مہان ہے بڑی اس کی شان بھی

قربان جس پہ کرتے ہیں ہم جسم و جان بھی
بے مہر و بے لحاظ ہے وہ بدزبان بھی

گا ہے میرے خلاف گئے میرے حق میں ہے
"دنیا مری حریف بھی ہے قدردان بھی"

اسلاف کا مقولہ رکھو یاد ہر گھڑی
دل سا نہیں ہے کوئی بڑا رازدان بھی

باور نہیں اگر تو پرکھ کر بھی دیکھ لے
نکلی جو بات منہ سے بنی داستان بھی

ملتا رہا صلا سدا کردار کا مجھے
ناکام بار ہا ہوا میں کامران بھی

بچے ہیں جس کے ہونٹوں پہ مسکاں لئے ہوئے
وہ دیش ہے مہان ہے بڑی اس کی شان بھی

رہتا ہے جو کہ خلوت و جلوت میں ساتھ ساتھ
وہ رازدان بھی ہے مرا پاسبان بھی

کندن چلے ہو ڈھونڈنے جس دل رُبا کو تم
معلوم تم کو اس کا ہے نام و نشان بھی

اپنے خوابوں کے محل میں جو سجالو مجھ کو

دشمنی سے نہیں ممکن کہ جھکا لو مجھ کو
دوستی ہی کے قرین ہے کہ دبالو مجھ کو

آبرو کہتی ہے گھر سے نہ نکالو مجھ کو
سرِ بازار رہ رہ کے اُچھالو مجھ کو

وہ جو کم حوصلہ ہیں دو نہ انھیں دل میں جگہ
میں جگر دار ہوں دل سے نہ نکالو مجھ کو

ہر گنہ گار کے ہم درد بہت ہیں یارو
بے خطا میں ہوں اُٹھو اور بچا لو مجھ کو

لطف ہر خواب کی تعبیر کا دُگنا ہوگا
اپنے خوابوں کے محل میں جو سجالو مجھ کو

خاک اکسیر بنا دیتے ہیں اہلِ ہُنر
میں ہوں سونا ابھی کُندن تو بنالو مجھ کو

"مری نوا سے ضمیروں میں انقلاب ہوا"

جو لین دین میں آزادۂ حساب ہوا
وہ کاروبار میں ہرگز نہ کامیاب ہوا
وہ سو گئے تو رُکیں گردشیں زمانے کی
وہ جاگ اُٹھے، تو پیدا اِک انقلاب ہوا
کرم کے واسطے اوروں کو چُن لیا اُس نے
سِتم کے واسطے میرا ہی انتخاب ہوا
کہوں تو کیا نہ اگر معجزہ نمائی کہوں
"مری نوا سے ضمیروں میں انقلاب ہوا"
عذاب کہتے ہیں کس کو خبر نہیں کُندنؔ
جو کام ہم نے کیا حاملِ ثواب کیا

تھا وہ اک جام بکف میکدہ بردوش نہ تھا

ہے غلط آمد ساقی کا مجھے ہوش نہ تھا
تھا وہ اِک جام بکف میکدہ بردوش نہ تھا

قبر میں بھی تیرے احسانوں کی یاد آتی ہے
"بعد مُردن بھی میں احسان فراموش نہ تھا"

آپ آئے تھے مگر ہائے مقدّر میرا
میں تو بے ہوش پڑا تھا مجھے کچھ ہوش نہ تھا

میرا مقسوم بھی بھیجا گیا تھا ساتھ میرے
میں جب آیا بیک بینی و دو گوش نہ تھا

جب بہار آئی تو کتنے رنگ کھلے گلزار میں پھول
کونسا گوشہ تھا وہ گلشن میں جو گل پوش نہ تھا

اے بشر گم گشتۂ دُنیا اُسے سمجھا نہ کر

بیٹھنے لگتا ہے دل یوں گھور کر دیکھا نہ کر
مجھ سے میرے دوست تو روٹھا نہ کر روٹھا نہ کر

ہے یہی بہتر زباں تو بے محل کھولا نہ کر
پیشتر سوچے بنا سمجھے بنا بولا نہ کر

وا نہیں چشمِ بصیرت پا نہیں سکتا اُسے
اس اصولِ بندگی کو اے بشر بھولا نہ کر

خانماں برباد پھرتا تھا ازل سے جو یہاں
چاند تارے روندنے کا تذکرہ اس کا نہ کر

ہر جگہ موجود وہ ہر چیز میں موجود وہ
اے بشر گم گشتۂ دُنیا اسے سمجھا نہ کر

ہر کسی پر تیری تنقیدی نظر اچھی نہیں
"ہر کسی چہرے میں اک چہرہ نیا ڈھونڈا نہ کر"

عزمِ راسخ کے امیں پاتے ہیں منزل کا نشاں
عزمِ راسخ کا اثر کندن کبھی بھولا نہ کر

جنم جنم میں اسی رہ گزر سے گزرے ہیں

وہ ایک بار ہی میری نظر سے گزرے ہیں
فرشتے موت کے سو بار سر سے گزرے ہیں

ہمارے پیار سے دشمن تڑپ تڑپ اُٹھے
وہ میرے گھر سے کبھی تیرے گھر سے گزرے ہیں

حوادث ایسے نہ پیش آئیں دشمنوں کو بھی
جو عشق میں مرے قلب و جگر سے گزرے ہیں

وہ صاف صاف دکھائی بھی کیا ہمیں دیتے
نظارے حُسن کے جو چشمِ تر سے گزرے ہیں

رہِ وفا کو نہ بھولیں گے ہم کبھی کندن
جنم جنم میں اسی رہ گزر سے گزرے ہیں

نہ کوئی دید کو آیا کلیمِ طُور کے بعد

نہ کوئی دید کو آیا کلیمِ طُور کے بعد
کسی نے ہوش نہ کھوئے فروغِ نور کے بعد

اس انقلابِ طبیعت کی خیر ہو یا رب
وہ پیار کرنے لگے کینہ و نفور کے بعد

قبول تلخ مزاجی نے انکسار کیا
بہت حلیم نظر آئے وہ غرور کے بعد

جنون و عقل میں باہم ٹھنی جو اے کُندن
"شکست عقل نے کھائی بڑے غرور کے بعد"

فیضِ آزادی سے ہر اک انجمن آزاد ہے

صبحِ ملک آزاد ہے شامِ وطن آزاد ہے
فیضِ آزادی سے ہر اک انجمن آزاد ہے

اب کسی کو بھی تو قید و بند کی پروا نہیں
طفل و پیر و جواں ہر مرد و زن آزاد ہے

مذہب و ملّت کا اب کس کے ہے دل میں احترام
شیخ ہے آزاد ہر اک برہمن آزاد ہے

سر اٹھائیے ہر طرف ہر ایک آتا ہے نظر
باغ میں سرد صنوبر نارون آزاد ہے

جس کو چاہا کر دیا زخمی اُسے منقار سے
فیضِ آزادی سے ہر مُرغِ چمن آزاد ہے

اصل آزادی تو پائی نازنینوں نے یہاں
قیدِ جامہ سے بھی اب گندن بدن آزاد ہے

رشکِ امریکہ و روس و چین ہے

ہند گلزارِ گُل و نسرین ہے — قطعہ قطعہ اس کا پُر تزئین ہے

کوہ و صحرا ہو کہ باغ و راغِ ہند — دلکشا و جانفزا ہر سین ہے

عظمت و توقیر میرے دیش کی — رشکِ امریکہ و روس و چین ہے

ہر طرف کے لوگ رہتے ہیں یہاں — ہر طرح ہر ایک کو تسکین ہے

خوش تو نگر ہے تو کُندن دیکھئے

کس قدر دلشاد ہر مسکین ہے

○

قطعہ

ہوا بنی ہوئی تھی زمانے کے واسطے

تھی گرچہ بسکہ حامل خوبی سکائی لیب[۱]

کُندن جہان بھر کو ملی خوف سے نجات

جس وقت بحرِ ہند میں ڈوبی سکائی لیب

۱؎ امریکہ کے کینیڈی اسپیس سینٹر سے ۱۴ر مئی ۱۹۷۳ء کو خلا میں بھیجی گئی۔ اور آخر ۱۹۷۹ء کی ۱۱ر جولائی کو بحرِ ہند میں گر گئی۔ کوئی جانی مالی نقصان نہیں ہوا۔

مگر بے وقت کی بھی تو ہنسی اچھی نہیں ہوتی

یہ مانا ہم نے خوئے دشمنی اچھی نہیں ہوتی
مگر ہر ایک سے بھی دوستی اچھی نہیں ہوتی

نشاں زندہ دلی کا ہے ہر اک سے دل لگی کرنا
مگر ہر وقت کی یہ دل لگی اچھی نہیں ہوتی

یہ مانا ہنستے رہنا کھل کھلانا اچھا ہوتا ہے
مگر بے وقت کی بھی تو ہنسی اچھی نہیں ہوتی

دُعائیں کیوں نہ مانگوں میں بہر لحظہ فقیری کی
فقیری سے تو یہ شاہنشہی اچھی نہیں ہوتی

دلِ کُندن کو دیتا ہے سکوں ہر گھونٹ صہبا کا
یہ کیوں کہتی ہے دُنیا میکشی اچھی نہیں ہوتی

لیا تھا پچھلے برس جو اُدھار ہولی کا

تماشہ دیکھنے نکلے نگار ہولی کا
دو بالا ہو گیا رنگِ بہار ہولی کا
رہا ہے ایک برس انتظار ہولی کا
رہے گا ایک برس انتظار ہولی کا
وہ قرض اُتار دیا آج مل کے رنگ اُن کو
لیا تھا پچھلے برس جو اُدھار ہولی کا
چلا رہے ہیں کہیں رنگ بھر کے پچکاری
اُڑا رہے ہیں کہیں پر غبار ہولی کا
ہر اک طرف در و دیوار سرخ رنگ ہوئے
کھلا ہے چاروں طرف لالہ زار ہولی کا
جو شب کو بزمِ طرب ہے تو دن کو محفلِ رنگ
جما ہے رنگ یہ لیل و نہار ہولی کا
خدا کا شکر ہے کہ اُتر گیا اب وہ
جو بھوت سر پہ ہوا تھا سوار ہولی کا

ہوئی ہیں مجھ سے نمایاں یہ غفلتیں کیسی

بجائے راحت و آرام کلفتیں کیسی
الٰہی ہم پہ ہیں نازل مصیبتیں کیسی
روا ہے ظلم و ستم اب عوام پر بے حد
خواص کرتے ہیں ہم پر عنایتیں کیسی
نیا زمانہ ہے ایجاد ہوں ستم بھی نئے
پرانے طرز کی اب تک اذیتیں کیسی
جوانی کھوئی نہ سوچا ذرا بھی پیری کا
ہوئی ہیں مجھ سے نمایاں یہ غفلتیں کیسی
تیرا خیال دل افزا اور اس پہ میٹھی یاد
نصیب مجھ کو ہیں تیری عنایتیں کیسی
نقاب اٹھاتے ہیں اور جلوہ بھی دکھاتے ہیں
یہ ہم پر آج کسی کی ہیں منتیں کیسی
یہ کہہ دو اُن سے کہ ہم سے چھپیں نہ اے کُندن
کہ مر رہی ہیں یہاں گھٹ کے حسرتیں کیسی

تذکرے کُندن تیرے جو آج ابراروں میں ہیں

کل تک اپنے دوست تھے جو آج اغیاروں میں ہیں
صاف ظاہر ہے کہ ہم تقدیر کے ماروں میں ہیں

یُوں لگیں گے نوچنے نادار زرداروں کو کل
آج مُردے جس طرح گِدھوں کی منقاروں میں ہیں

عندلیب و گُل کے قصّے باغ تک محدود تھے
تذکرے اُن کے مگر کیوں عام بازاروں میں ہیں

گھیر کر دلدار مجھ سے آج کرتے ہیں سوال
اب بتا دیں آپ کس کے ناز برداروں میں ہیں

اُن گلوں سے دُور کا بھی واسطہ مجھ کو نہیں
جن میں گلشن کی نہیں بُو اور گلزاروں میں ہیں

بن نہ جائیں پیش خیمہ روزِ آئندہ کا وہ
غیر مبہم سُرخیاں جو آج اخباروں میں ہیں

وہ کہیں رشک و حسد سے دشمن جاں بن نہ جائیں
آج اپنی سطوتوں کے تذکرے یاروں میں ہیں

دل پھڑکتا ہے مرا تیرے لئے اس روز سے
آبشاریں گنگناتی جب سے کہساروں میں ہیں

تیرے کردار و عمل کی خوبیوں کا ہے ثبوت
تذکرے کُندن تیرے جو آج ابراروں میں ہیں

مجھے آتشِ عشق میں تاپ کے

یہ مئے نوشِ پیرِ مغاں آپ سے | نہیں پیتے پیمانوں میں ناپ کے
جہاں کی نظر میں ہوں مظلوم میں | مگر ہوں ستم گر بقول آپ کے
نہ بے سوچے سمجھے کہو بات تم | کہو جو کہو تول کر ناپ کے
اگر آپ کے ساتھ گزرے تو خوب | ہے یہ زندگی کیا بغیر آپ کے
وہ بے شرم اولاد ہے آج کی | نہیں مانتی حکم ماں باپ کے

مقدّر نے پیتل سے کندن کیا
مجھے آتشِ عشق میں تاپ کے

قطعہ

تیری یادوں کے ہی اُجالے ہیں
جو سمائے ہوئے ہیں آنکھوں میں
پڑ نہ جائیں کہیں یہ پھر مدّھم
زندگی کی اندھیری راہوں میں

ہر نظر پارسا نہیں ہوتی

جو کہ دل سے ادا نہیں ہوتی
کارگر وہ دُعا نہیں ہوتی

آہ کرتے نہیں ہیں جب دل سے
آہ تب تک رسا نہیں ہوتی

رُوح تن سے جُدا تو ہوتی ہے
رُوح ہرگز فنا نہیں ہوتی

کام ہوتا نہیں کسی کا وہ
جس میں تیری رضا نہیں ہوتی

ایک دیوارِ ریگ ہے دُنیا
پختہ اس کی بِنا نہیں ہوتی

ہر نظر سے بچا کر دیکھ کر
ہر نظر پارسا نہیں ہوتی

شعر کندنؔ اُسے نہیں کہتے
بات جس میں ادا نہیں ہوتی

قطعہ

یوں تو جیتا رہا ہوں میں اب تک
اور ایسا رہے گا یوں کب تک
تیری "ہوں ہاں" کا کچھ تو مطلب ہو
جو کہ پورا ہو آج کی شب تک

ہم سے تصویر بھی سینے سے لگائی نہ گئی

دوستی زیست سے کچھ ہم سے نبھائی نہ گئی
"چار دن بھی کوئی تکلیف اٹھائی نہ گئی"

ہم سے بیگانہ ہمیشہ رہی شہنازِ حیات
اپنے ڈھب پر یہ کسی وقت بھی لائی نہ گئی

اُن کو سینے سے لگانا تو رہی دُور کی بات
ہم سے تصویر بھی سینے سے لگائی نہ گئی

سرِ عشاق پہ آتی ہیں بلائیں لاکھوں
اپنے سر پر تو کوئی ایک بھی لائی نہ گئی

حُسن کے رعب سے کُندن نہ کھُلی اپنی زباں
سامنے اُن کے غزل ہم سے سُنائی نہ گئی

جوشِ وحشت نے ہمیں عقل میں رہنے نہ دیا

جوشِ وحشت نے ہمیں عقل میں رہنے نہ دیا
قصّۂ عشق جو کہنا تھا وہ کہنے نہ دیا
کس بلانوش نے ساقی یہاں رکھے تھے قدم
مئے کا اِک قطرہ بھی میخانے میں رہنے نہ دیا
شدّتِ غم سے گو بھر آئی تھیں آنکھیں، ہم نے
ضبط سے کام لیا اشکوں کو بہنے نہ دیا
کس لئے حسن سرِ بزم یہ ناانصافی
حالِ دل خود تو کہا اوروں کو کہنے نہ دیا
ناصبوری کا جو اِک آیا تھا ریلا کُندنؔ
ہم نے روکا اُسے ہم نے اُسے بہنے نہ دیا

مگر نہ اِک بھی حسینہ ہمارے گھر آئی

کبھی نہ یکّہ و تنہا ہمارے گھر آئی
بَلا جو آئی لئے ساتھ شور و شر آئی

اگرچہ راہوں نے کی رہبری ہزاروں کی
مگر نہ اِک بھی حسینہ ہمارے گھر آئی

بہار گانے لگے طائرانِ خوش الحان
چمن چمن میں جو نہی فصلِ برگ و بر آئی

صبا مثالِ گلستاں میں آپ کیا آئے
کلی کلی جو بھی مُرجھائی تھی نکھر آئی

کہیں بھی ظلمتِ شب کا نشان تک نہ رہا
فلک پہ مہر کے آنے کی جب خبر آئی

مُسافرانِ رہِ عشق کو خبر ہی نہیں
کہاں پہ شام اُنھیں اور کہاں سحر آئی

سب اہلِ نقد و نظر کہہ رہے ہیں اے کندنؔ
ترے کلام میں خوبی ہمیں نظر آئی

ہمیں پیغامِ یار آئے نہ آئے

وہ جانِ لالہ زار آئے نہ آئے
ادھر فصلِ بہار آئے نہ آئے
یہاں ہم مدّتوں سے منتظر ہیں
ہے جس کا انتظار آئے نہ آئے

گلستاں کا گلستاں آپ لے لیں
مرے حصّے میں خار آئے نہ آئے

ہوئے ہیں بے نیازِ ہر مسرّت
ہمیں پیغامِ یار آئے نہ آئے
کسی کے چاہنے والوں میں کُندن
ہمارا بھی شمار آئے نہ آئے

مل جل کے سبھی اس کو مٹا کیوں نہیں دیتے

تم چہرے سے پردے کو ہٹا کیوں نہیں دیتے
دیوانہ بنانا ہے بنا کیوں نہیں دیتے

سیراب جو کرنا ہے تو اک بار ہی مجھ کو
اپنے لبِ لعلیں سے پلا کیوں نہیں دیتے

چھپ جائے جسے دیکھ کے خود برق گھٹائیں
بجلی وہ نگاہوں سے گرا کیوں نہیں دیتے

ہندو و مسلمان کی یہ تفریق ہے کیسی
مل جل کے سبھی اس کو مٹا کیوں نہیں دیتے

سن کر جسے مُردوں میں پڑے جان اے کندن
تم ایسی غزل کوئی سنا کیوں نہیں دیتے

تیری دُنیا میں ملا ہم کو نہ انساں کوئی

کوئی ششدر رہے اُسے دیکھ کے حیراں کوئی
"خوابِ ہستی سا نہیں خوابِ پریشاں کوئی"
مستِ نظارہ گل ہائے گُلستاں کوئی
شوق میں چھانتا ہے خاکِ بیاباں کوئی
کیوں بشر ایسا کرے کام کہ پچھتانا پڑے
کیوں پھر اپنے ہی عمل پر ہو پشیماں کوئی
دیدِ انساں کو ہم آئے تھے جہاں میں یارب
تیری دُنیا میں ملا ہم کو نہ انساں کوئی
اُس کی رحمت تو معافی پہ تُلی ہے کُندن
کیوں نہ جی بھر کے کرے دہر میں عصیاں کوئی

تری یہ بے نیازی تو جنوں انگیز ہے ساقی

نہیں معلوم کیوں صہبا یہ آب آمیز ہے ساقی
تری محفل کا دورِ جام بھی کیوں تیز ہے ساقی

ہمیں محروم ہی رکھا سرورِ عیش و عشرت سے
تری یہ بے نیازی تو جنوں انگیز ہے ساقی

یہ مانا مےکشوں کو مے سے نفرت ہوتی جاتی ہے
عجب ہے جام و مینا سے تجھے پرہیز ہے ساقی

جو تو چاہے تو کچھ لمحے محبت میں گزر جائیں
تری یہ زلیست کوئی زلیستِ پرویز ہے ساقی

نکالی ہے پری یہ سُرخ سی جو تو نے شیشے سے
دلِ رنداں میں برپا ایک رُستاخیز ہے ساقی

نشانِ غم نہیں ہے جوشِ پر لطفِ مسرت ہے
وفائے باہمی کیسی نشاط انگیز ہے ساقی

ہزاروں ہاتھ گلدستے بنے ہیں تیری آمد میں
چلا بھی آ کہ ہر دستِ وفا گلریز ہے ساقی

بُلایا کس لئے تو نے یہاں پر آج کندن کو
تیری محفل میں کوئی فتنۂ نوخیز ہے ساقی

کوسوں نہ لگا منزل کا پتہ گُم گشتہ منزل بیٹھ گئے

اپنے بھی یہاں دشمن بن کر مدِ مقابل بیٹھ گئے
غیروں کا کوئی شکوہ ہی نہیں جو چپ سرِ محفل بیٹھ گئے

جیون کا سفر اتنا سا تو تھا جو آنکھ جھپکتے ختم ہوا
تِل آنکھ کھُلی تِل دیکھ لیا تِل سانس لیا تِل بیٹھ گئے

گلشن میں پھرا ہر گل سے ملا افسردہ ہیں کیوں جب راز کھُلا
جس جس نے سنا کی آہ و بکا مایوس ہوئے دل بیٹھ گئے

جو راہ غلط پر چلنے لگے ہرگز نہ وہ پہنچے منزل پر
کوسوں نہ لگا منزل کا پتہ گُم گشتہ منزل بیٹھ گئے

رہبر جو بنا رہزن نکلا اب اپنا کسی پہ یقین نہ رہا
جب بھیس بدل کے یاروں کا رستے میں قاتل بیٹھ گئے

الفت سے جدا نفرت سے الگ ہر جھگڑا فیصل پانے لگا
بے لاگ نہ ہو انصاف تو کیوں جب ایسے عادل بیٹھ گئے

کندن کا سدا یہ طور رہا ہر راہِ خطر پہ بڑھتا گیا
اوروں کا مگر تھا ظرف یہی دیکھی رہِ منزل بیٹھ گئے

شوخی بھی تیری دیکھی ہے دیکھی ہے حیا بھی

دیکھا ہے کرم تیرا تو دیکھی ہے جفا بھی
شوخی بھی تیری دیکھی ہے دیکھی ہے حیا بھی

ہمراہی بنو اور کرو ہم سے وفا بھی
اے دوست تو پھر دوستی کا آئے مزا بھی

بیمارِ غمِ عشق شفا پائے تو کیسے
کیا تم نے اُٹھائے ہیں کبھی دستِ دُعا بھی؟

چپ چاپ بڑھے جاتے رہے راہِ سفر میں
ہمراہ بھی ہم دونوں رہے دونوں جُدا بھی

قربانِ محبت ہیں دل و جان سے کُندن
رکھتے ہیں روایاتِ محبت کو روا بھی

لوگ ان کی باتوں میں آئے ہیں نہ آئیں گے

رات کے بھی پہلو میں وہ کبھی تو آئیں گے
ہم ذرا سا چھوئیں گے بل بہت وہ کھائیں گے
راہِ عشق میں ہم تو گامزن ہیں عرصے سے
ہم نہ ڈگمگائے ہیں ہم نہ ڈگمگائیں گے
راہ پُر خطر ہو گی زندگی بسر ہو گی
راہِ پُر خطر سے ہم حوصلے بڑھائیں گے
بھیج بھیج کر خالق تھک گیا رسولوں کو
لوگ ان کی باتوں میں آئے ہیں نہ آئیں گے
زخم جان پر کھا کر دل کو اپنے تڑپا کر
بے وفا زمانے کو دوستی سکھائیں گے
اُن کی یاد میں کُندن چشم نم سے واسطہ
گاگریں چھلکا کر راگنی سُنائیں گے

اس پہ اے کندن قدم دیکھئے کب تک رہے

یار کا دل میں الم دیکھئے کب تک رہے
مونس و ہم دم یہ غم دیکھئے کب تک رہے

حسن ہے جلوہ فگن ہر طرف سو ناز سے
اب یہ عالم بیش و کم دیکھئے کب تک رہے

ایک لمحہ پیشتر کھل اٹھی تھی جو کلی
تازگی اس کی بہم دیکھئے کب تک رہے

مچ رہی ہے ہر طرف شاعری کی دھوم دھام
یوں ہی یہ زورِ قلم دیکھئے کب تک رہے

شہر کی گلیاں سبھی جگمگاتی رہ گئیں
تیرگی دل کی بہم دیکھئے کب تک رہے

پوچھنا ہو پوچھ لے سچ بتا دوں گا تجھے
ہاتھ میں یہ جام و جم دیکھئے کب تک رہے

جب ازل سے ہے پڑی یہ بنا سر سبز ہی
ہند عالم کا ارم دیکھئے کب تک رہے

راہِ بد سے راہِ نیک تو بہت دشوار ہے
اس پہ اے کندن قدم دیکھئے کب تک رہے

مجھ سے ہوگی نہ بندگی تنہا

میں بھی تنہا ہوں آپ بھی تنہا
کیسے کاٹیں گے زندگی تنہا

حُسن والوں کی کجروی تنہا
جیسے میکش کی میکشی تنہا

سامنے آ، کروں تجھے سجدہ
مجھ سے ہوگی نہ بندگی تنہا

چاند تاروں کو آج روندے ہے
اپنی ہمت پہ آدمی تنہا

دل کے آنگن میں کھیلے گی ہر پل
تیری یادوں کی روشنی تنہا

آؤ مل کر گزار دیں جیون
کیسے کاٹو گی زندگی تنہا

مختصر سی حیات لایا تھا
ہائے وہ بھی کٹی کٹی تنہا

آستیں میں نہ تھی کبھی نزہت
ہائے کندن مرے کبھی تنہا

غلط ہے یہ کہ ترے خط کا انتظار نہیں

تمہارے عشق نے بخشی ہیں عظمتیں مجھ کو
کہا ہے تجھ سے یہ کس نے مرا وقار نہیں

لگی ہوئی ہیں مری جان سوئے در نظریں
غلط ہے یہ کہ ترے خط کا انتظار نہیں

مرا تو دامنِ ایثار داغدار سہی
مجھے گماں ہے کہ تو بھی وفا شعار نہیں

طلب سے دُور ہے خود دار ہے مری فطرت
مرا وجود جہاں میں کسی پہ بار نہیں

قدم قدم پہ ملیں ٹھوکریں مجھے ہمدم
مرا وطن میں کوئی بھی تو غمگسار نہیں

روش روش پہ کھلے پھول ہر طرف رنگیں
مری بغل میں مگر میرا گل عذار نہیں

یہ اور بات ہے کُندن جو مضطرب ہوں میں
مجھے کسی بھی پری وش کا انتظار نہیں

مہکتے رہے گلستاں کیسے کیسے

اُٹھاتے ہیں غم ناتواں کیسے کیسے
ستم ہیں ترے آسماں کیسے کیسے

بتا ہم نوا آشیانہ پہ میرے
گریں رات بھر بجلیاں کیسے کیسے

ہری ہو سکی دل کی میرے نہ کھیتی
برستی رہیں بدلیاں کیسے کیسے

بتاؤ یہ دورِ ہلاکو و چنگیز
اُجاڑی گئیں بستیاں کیسے کیسے

ہوئے نیست و ناپید آ کر جہاں میں
حسیں کیسے کیسے جواں کیسے کیسے

وہ جب تک رہے جلوہ آرائے عالم
مہکتے رہے گلستاں کیسے کیسے

سنائے اشاروں سے قصّوں پہ قصّے
ملے عشق میں بے زباں کیسے کیسے

بتاؤ ملے تم کو ہر گام کُندن
رہِ عشق میں ہم زباں کیسے کیسے

یاد تیری دل سے جس دم جائے گی

مدّتوں تک یاد تیری آئے گی
جس گھڑی یہ آئے گی تڑپائے گی

زندگانی سے وفا کی کیا اُمید
موت تو وعدہ وفا کر جائے گی

آج کر لو جو بھی کرنا ہے تمہیں
کچھ نہ ہوگا موت جب آجائے گی

مضطرب دل کو سکوں مل جائے گا
یاد تیری دل سے جس دم جائے گی

بے وفا ہوگا کوئی جب دوست سے
بے وفائی یاد تیری آئے گی

آتے آتے آئے گا دل کو سکوں
جاتے جاتے یاد تیری جائے گی

فرق کم ہے زندگی میں موت میں
موت وعدہ تو وفا کر جائے گی

زندگی کو تو نے جب چاہا نہیں
پھر یہ اے کندن تجھے کب چاہے گی

تو بے قابو میں بے قابو

جلوے بکھرے حسن کے ہر سو — ہر سو مہکی زلف کی خوشبو
تیری بولی تو تھی کو کو — کیوں اب پہنچی تم سے تو تو
مہکے مہکے تیرے گیسو — جیسے گلشن کی ہو خوشبو
ایسے بھی کچھ لمحے گزرے — تو بے قابو میں بے قابو
فرحت افزا تیری قربت — جیسے کوہ مری یا آبو
رسوا، نادم احقر گھر گھر — کیوں ہے اپنے دیش میں اردو
ریت پہ برسے جیسے بادل — تیرے آگے میرے آنسو
خود میں پیدا کر اب انساں — اپنے ورثے کی نو خوبو

یہ کوئی اخلاق ہے کندن
آپ سے تم تم، تم سے، تو تو

دلِ غمگین و مضطر کی ہمارے جب دوا تم ہو

جفا جو ہو ستمگر ہو یقیناً بے وفا تم ہو
"کسی کو پھر بھی پیار آئے تو کیا سمجھیں کہ کیا تم ہو"

چلے آؤ بہاروں کے سراپا آشنا ہو کر
دلِ غمگین و مضطر کی ہمارے جب دوا تم ہو

قسم کھانے کو بھولے سے وفا تم نے نہ کی مجھ سے
تو پھر کیسے کہوں ہیں یہ، مری جاں با وفا تم ہو

تلطّف آشنا ہو کر جفا پیشہ نہ بن جانا
کہیں مجھ کو نہ پھر کہنا پڑے یہ بے وفا تم ہو

خدا جانے مجھے کیسے ملے گی زیست میں راحت
مرے خوابوں میں رہتے ہو مگر مجھ سے جدا تم ہو

جو کل میں نے کہا تھا اب وہی میں آج کہتا ہوں
چراغ زیست ہو گندن میرے من کا دیا تم ہو

ہر بشر سے میں محبت کر رہا ہوں

سامنے وہ ہے شرارت کر رہا ہوں
کس قدر دیکھو جسارت کر رہا ہوں

خوب رُو جب سامنے میرے نہیں ہے
کس کے مکھڑے کی تلاوت کر رہا ہوں

یہ وراثت میں ملی ہے مجھ کو عادت
ہر بشر سے میں محبت کر رہا ہوں

لُٹ گیا عہدِ جوانی غم نہیں ہے
اس کی یادوں پر قناعت کر رہا ہوں

غم، الم، دھوکے، مجھے وہ دے گیا تھا
میں نہ لوٹا کر خیانت کر رہا ہوں

بیچتا ہوں اپنے دل کو لو خرید و
کیا انوکھی میں تجارت کر رہا ہوں

سامنے اس کو بٹھا کے اپنے کندنؔ
اس کے چہرے کی عبادت کر رہا ہوں

جس میں اس کی رضا نہیں ہوتی

دوستی ناروا نہیں ہوتی — ہاں عداوت بجا نہیں ہوتی
کام کرتے نہیں ہیں ہم ایسا — جس میں اس کی رضا نہیں ہوتی
روز کرتے ہیں وہ ستم ہم پر — ہم پہ کس دن جفا نہیں ہوتی
عشق نے کر دیا وہ کاہیدہ — اب کوئی التجا نہیں ہوتی

رنگ لے آئے آہ اے کندنؔ
کیا کروں وہ رسا نہیں ہوتی

پریشان ہیں اہلِ زر دوستو

ہے شرم و حیا کا اثر دوستو
جو نیچی ہے اس کی نظر دوستو

ہے تاثیر تلخیٔ دورِ زماں
جو ہے ہر بشر چشم تر دوستو

مقدر نے آگے نہ بڑھنے دیا
بہت سیکھے ہم نے ہنر دوستو

بشر کے ہیں وہ کارنامے عجیب
ہیں حیران شمش و قمر دوستو

بنو لمحہ لمحہ کے تم قدرداں
ملی زندگی مختصر دوستو

عجب رنگ لائی ہیں ناداریاں
پریشان ہیں اہلِ زر دوستو

کرے گا بغاوت حکومت سے وہ
جو بیباک ہے اور نڈر دوستو

ہیں حسنِ ازل کی تجلّی کا عکس
نجوم اور شمش و قمر دوستو

لبوں پر لگی ہیں جو پابندیاں
زباں بن گئی ہے نظر دوستو

نہ بن جائے دوزخ یہ جنّت کہیں
ہے کندن کے دل میں یہ ڈر دوستو

○

سیاست میں کسی مذہب کو ضم ہونے نہیں دیں گے

وطن کے جو محافظ ہیں انھیں سونے نہیں دیں گے
وطن کی شان کو نیچا کبھی ہونے نہیں دیں گے

گلستاں کے تبسم ریز پھولوں کا یہ کہنا ہے
چمن میں ہم شگوفوں کو کبھی رونے نہیں دیں گے

نہ سکھ نیچا ہے مسلم سے نہ عیسائی ہے ہندو سے
بہم مل کر رہیں گے سب الگ ہونے نہیں دیں گے

اگر پھر بھی کسی کا دل الگ رہنے پہ راغب ہے
تو پھر اس کو دیارِ ہند میں رہنے نہیں دیں گے

مذاہب سے جداگانہ ہے جب مسلک سیاست کا
سیاست میں کسی مذہب کو ضم ہونے نہیں دیں گے

قزاقوں سے چھڑایا ہے سفینہ ہم نے بھارت کا
بصد مشکل ملا ہے اس کو ہم کھونے نہیں دیں گے

دیانت کی قسم کھا کر علی الاعلان کہتے ہیں
کسی کے ہاتھ ناحق خون سے دھونے نہیں دیں گے

جگہ دیں گے نہ ہم دل میں کبھی فرقہ پرستی کو
وطن میں نفرتوں کا بیج ہم بونے نہیں دیں گے

سنو دہشت پسندو چھوڑ دو جبر و تشدّد کو
تمہیں آرام سے ہم بھی کبھی سونے نہیں دیں گے

جوانو! خواب غفلت میں نہیں ہے وقت سونے کا
جگائیں گے سدا گلشن کبھی سونے نہیں دیں گے

نہ دل کو اس کی خدمت سے چرایا جائے گا ہم سے

گلوں کو آج گلشن میں نہ روندا جائے گا ہم سے
فسردہ اور پژمردہ نہ دیکھا جائے گا ہم سے
وطن کے خادموں میں ہے ہمارا نام مدّت سے
نہ دل کو اس کی خدمت سے چرایا جائے گا ہم سے
وطن کی آبرو ہے اوجِ گردوں سے بھی بالا تر
وطن کی آبرو کو تو نہ بیچا جائے گا ہم سے
انا کے ہم پجاری ہیں، انا سے ہم کو رغبت ہے
انا کو تو کسی صورت نہ بیچا جائے گا ہم سے
اندھیرے میں اُجالے کی کرن جب دیکھ لی ہم نے
اندھیرے کو اُجالے میں نہ دیکھا جائے گا ہم سے
ذرا چشمِ بصیرت سے گرداب جانچ دشمن کی
بھلا کب تک غنیموں کو نہ پرکھا جائے گا ہم سے
شگوفے ہوں کہ کانٹے ہوں سبھی زینت ہیں گلشن کی
انہیں افسردہ اے کندنؔ نہ دیکھا جائے گا ہم سے

چراغ مہر و وفا کا بجھا رہا ہے کون؟

دلوں میں سب کے یہ نفرت بڑھا رہا ہے کون؟
چراغ مہر و وفا کا بجھا رہا ہے کون؟
یہ پودے بغض و عناد کے لگا رہا ہے کون؟
چمن میں نخلِ محبت جلا رہا ہے کون؟
منافرت یہ کدورت یہ مذہبی تفریق
کیاریوں میں چمن کی لگا رہا ہے کون؟
وطن میں کس کو ہوئی انسیت فسادوں سے
جگہ جگہ یہ لہو اب بہا رہا ہے کون؟
بتا تو دو یہ مجھے اے وطن کے فرزانو
دیارِ ہند کو دوزخ بنا رہا ہے کون؟
یہ بھید بھاؤ یہ نفرت یہ تفرقہ سازی
خبر بھی ہے تجھے کُندن بڑھا رہا ہے کون؟

آٹھ جنوری 1987ء کے روز پوتے کے جنم پر

کھوج میں تھا جس کی میں لے کر چراغ
مِل گیا ہے وہ مسرّت کا ایاغ
بج رہی ہیں ہر طرف شہنائیاں
ہے جو روشن آرزوؤں کا چراغ
سب عزیزان و اقارب ہیں نہال
آج سب کا دل ہوا ہے باغ باغ
دل پِسر کا کیوں نہ ہو اب شادماں
اُس کے گھر روشن ہوا پہلا چراغ
تا نہ کوئی دوست تشنہ لب رہے
تیز ہیں رفتار میں جام و ایاغ
مِل گیا دل کو سرور آنکھوں کو نور
دُور دل سے ہو گیا ہے غم کا داغ
کھیلنے کو اِک کِھلونا مِل گیا
جھوم اُٹھے کُندن کے اب قلب و دماغ

جشنِ جمہور

خواہشِ دل ہو نہ ہو ہم مُسکرائیں گے ضرور
جشنِ جمہوری بہرِ صورت منائیں گے ضرور

خون ہے اپنی رگوں میں شیکھر و آزاد کا
یہ حقیقت ہے اسے سب کو بتائیں گے ضرور

مغربی تہذیب کے جو مشرقی یہ لوگ ہیں
وہ دیارِ ہند کو دوزخ بنائیں گے ضرور

ہے وطن خطرے میں کہنا بُزدلوں کی بات ہے
بُزدلوں کو مُلک سے مل کر بھگائیں گے ضرور

جن کے ہر فعل و عمل سے دلِش ہے بےچین اب
کُندن اک دم ہم انھیں جڑ سے مٹائیں گے ضرور

پندرہ اگست

ہر اک زباں پہ نام ہے پندرہ اگست کا
ہر دل میں احترام ہے پندرہ اگست کا

کیسی حسین صبح ہے پندرہ اگست کی
کیا وقت، وقتِ شام ہے پندرہ اگست کا

ہر سال پیتے جائیں گے تا عمر اسی طرح
چالیسواں یہ جام ہے پندرہ اگست کا

ہم کیوں اُسے نہ لکھیں سنہری حروف میں
تاریخ میں مقام ہے پندرہ اگست کا

ہر انجمن میں اور کوئی گفتگو نہیں
اک ذکرِ صبح شام ہے پندرہ اگست کا

کُندنؔ مجھے ہے فخر محبِّ وطن ہوں میں
دیکھو میرا کلام ہے پندرہ اگست کا

ہولی

سجانے کرشن کا دربار ہولی

جہاں میں آئی خوش اطوار ہولی
منائیں ہم بھی تو اے یار ہولی
چھڑکتے ہیں گلال اِک دوسرے پر
مناتے ہیں بہم نر، نار ہولی
کبھی ایسی نہ دیکھی تھی کسی نے
اُڑاتی رنگ کا انبار ہولی
درو دیوار رنگیں ہو گئے ہیں
مناتے ہیں درو دیوار ہولی
پیا بِن اِک طرف بیٹھی ہے غم میں
اُسے چبھتی ہے بن کر خار ہولی
ہمکتی گوپیوں کے سنگ آئی
سجانے کرشن کا دربار ہولی
ہوئے جاتے ہیں ہم سرمست کُندن
کئے دیتی ہے کیا سرشار ہولی

حضرت مسیح کے یومِ ولادت پر

خوشا منجیٔ دو جہاں آگیا ہے
خطا بخشِ ہر جسم و جاں آگیا ہے
فرشتے چلے آتے ہیں سجدہ کرنے
کہ قبلہ گہِ عرشیاں آگیا ہے
رہے گی نہ اب ظلمتِ کفر باقی
کہ خورشیدِ حق ضو فشاں آگیا ہے
کوئی کارواں اب نہ گم راہ ہوگا
کہ وہ رہبرِ کارواں آگیا ہے
بڑھائی ہے چرخ نے کی عزت جہاں میں
خود اُس میں شہِ دو جہاں آگیا ہے
نویدِ خوشی لے کے آئے مجوسی
امیرِ مسرت نشاں آگیا ہے
اسی کا ہے کُندن یہ روزِ ولادت
منانے جسے اِک جہاں آگیا ہے

شبِ قدر

کیسی شب ہے روپ بکھرا ہے احد کی ذات سے
ہو گئے ہیں دور مومن ہر بری عادات سے
خاک کے ذرے کو سورج سے کیا روشن فزوں
ماہِ رمضاں کی یہ شب روشن ہوئی برکات سے
رحمتیں نازل ہوئی ہیں چار جانب بے بہا
بھر گیا خوشیوں سے دامن لاشریکِ ذات سے
ہے تراویح کا سماں اللہ کے گھر میں بے مثال
ہو گئی ہے ختم محفل آج کی ہی رات سے
تھی ملی افطار میں جو مومنوں کو اک خوشی
ختم ہے اب وہ خوشی رمضان کی اس رات سے
اوجِ گردوں سے پرے مومن کی قسمت دیکھ کر
ہو گئی ہے فوجِ شیطاں سرنگوں اس رات سے
ہے فقط یہ غم دلوں میں مومنوں کے آج بس
رخصتی رمضان لے گا سال بھر اس رات سے
حسرتیں نکلیں سبھی اگلے برس رمضان میں
مانگتے ہیں یہ دعا کندن خدا کی ذات سے

خمسہ بر غزل بہادر شاہ ظفر

حیف میرے عشق کی تشہیر آدھی رہ گئی
کاتبِ تقدیر کیوں تحریر آدھی رہ گئی
سب نہ پوری ہو سکی تفسیر آدھی رہ گئی
"کھینچ کے قاتل! جب تیری شمشیر آدھی رہ گئی
غم سے جانِ عاشق دلگیر آدھی رہ گئی"

اہمیت جب کچھ نہیں رکھتے غم اس کے روبرو
بیٹھا کیوں لے کے تو پھر چشمِ نم اس کے روبرو
ہاں زباں کھلتے ہی نکلے ہے دم اس کے روبرو
"کہہ سکے ساری حقیقت کب ہم اس کے روبرو
ہم نشیں آدھی ہوئی تقریر آدھی رہ گئی"

ہو سکے تو کر مداوا کچھ مرے اے غمگسار
زندگی میں میں نے کب کی آرزوئے وصلِ یار
راہ تو سوچی کہ جس سے ہو سکے دیدِ نگار
"کھینچتا تھا رات کو میں خواب میں تصویرِ یار
جاگ اُٹھا جو کھینچی تصویر آدھی رہ گئی"

دم لگا گھٹنے تو دل نے چاہا یہ اے دل نواز
خواب گہہ تیری میں جا کریں دوا اے چارہ ساز
آہ دل سے جاگ اُٹھا تو وہیں عشوہ طراز
"دیکھتے ہی اے ستم گر تیری چشم نیم باز
کی تھی پوری ہم نے جو تدبیر آدھی رہ گئی"

بیٹھتے ہی اُٹھ کھڑے وہ کیا کیا اُس نے غضب
رنگ پر آنے تو دیتا محفلِ عیش و طرب
تھی کہاں قسمت یہ اپنی وصل کی ہو رات سب
"پاس میرے وہ جو آئے بھی تو بعد از نصف شب
نکلی آدھی حسرت اے تقدیر آدھی رہ گئی"

رات کیوں ایسے گزارے ہے گلے لگ جا مرے
کب سے دل بیٹھا پکارے ہے گلے لگ جا مرے
وصل ہی جوبن نکھارے ہے گلے لگ جا مرے
"مانگ کیا بیٹھا سنوارے ہے گلے لگ جا مرے
وصل کی شب اے بُتِ بے پیر آدھی رہ گئی"

شام کے بچھڑے ہوئے وقتِ سحر آئے ہو گھر
ہم جو کہتے تجھے نہ رکھنا پاؤں تم بیرونِ در
دل نہ مانا بات تھی کندن تیری سچی مگر
"دل نے کی ساری خرابی لے گیا مجھ کو ظفر
واں کے جانے میں مری توقیر آدھی رہ گئی"

تضمین بر غزل جوش ملسیانی

دل کسی سے نہ جو لگا جانے
کوئی ٹھوکر نہ پھر وہ کھا جانے
عشق کرنا نہ وہ ذرا جانے

"دل پہ جو گزری ہے وہ کیا جانے
یہ تو ہم جانیں یا خدا جانے"

جو نہیں کر سکا عبادتِ عشق
کچھ نہ سمجھے گا وہ حقیقتِ عشق
جان پائے گا کب فضیلتِ عشق

"خاک جھیلے گا وہ مصیبتِ عشق
جو لگا کر نہ پھر بجھا جانے"

ہر کوئی جب کہ پارسا ہو گا
سب کا مسلک ہی جب جدا ہو گا
بندہ ہر اک ہی میکدہ ہو گا

"بادہ نوشوں کا حشر کیا ہو گا
مجھ بلا نوش کی بلا جانے"

وہ تو لُطف و کرم پہ مائل تھا
درمیاں بھی نہ کوئی حائل تھا
میرے ہر حال میں وہ شامل تھا
" دل کو کل تک جو چین حاصل تھا
آج کیا ہو گیا خدا جانے "

عقل سے دُور تر ہے کیا وہ بشر
ہوش سے بھی تو ہے جُدا وہ بشر
اُوت کنُدرّن ہے باخدا وہ بشر
" کیا کرے عرضِ مدّعا وہ بشر
ابتدا کو جو انتہا جانے "

جب خدا پر یقیں نہیں اے جوشؔ
دور سجدوں سے ہے جبیں اے جوشؔ
کیسے کعبہ ملے کہیں اے جوشؔ
" تیرا اس جا گزر نہیں اے جوشؔ
تو خدائی کے راز کیا جانے "

اظہارِ تمنّا

آیا ہوں تیرے در پر اک سجدہ روا کرنے
اِک سجدہ روا کرنے اِک رسم ادا کرنے
اِک رسم ادا کرنے اِک وعدہ وفا کرنے
اس شوقِ تمنّا کو آیا ہوں فدا کرنے
اے جانِ محبّت تو اِک بار تو ہاں کہہ دے

کرتا ہوں دُعا یہ میں دل شاد رہے تیرا
دل میری محبّت سے آباد رہے تیرا
یہ دامِ وفا مجھ پر صیّاد رہے تیرا
دل گلفتِ فرقت سے آزاد رہے تیرا
اے جانِ محبّت تو اِک بار تو ہاں کہہ دے

ساون کا مہینہ ہو گھنگھور گھٹائیں ہوں
جمنا کا کنارہ ہو سرمست ہوائیں ہوں
اظہارِ تمنّا ہو آپس میں وفائیں ہوں
پہلو میں مرے تو ہو دلچسپ ادائیں ہوں
ہر غرض تمنّا پر اُس وقت تو ہاں کہہ دے

ہو تیری اگر خواہش بگڑی بھی سنور جائے
بگڑی ہوئی حالت بھی اے جان سُدھر جائے
دل در سے ترے اُٹھ کر ہرگز نہ بدر جائے
ہم دونوں اُدھر جائیں دل اپنا جدھر جائے
اے جانِ محبّت تو اِک بار تو ہاں کہہ دے

گر تیری عنایت ہو ہنستا رہے باغ اپنا
جلتا رہے اُلفت کا ہر دم یہ چراغ اپنا
کھو جائیں محبّت میں پائیں نہ سُراغ اپنا
چلتا رہے الفت کا یہ دورِ ایاغ اپنا
دل کی یہ تمنّا ہے اِک بار تو ہاں کہہ دے

پھر پیار کرلوں

چلی آؤ اِک بار پھر پیار کرلوں
ترستی نگاہوں کو سرشار کرلوں
متانت سے وعدے کا اقرار کرلوں
لبوں کو نہ بوسے کی پھر ہو ضرورت
کہ جوشِ مسلسل سے بوچھار کرلوں
دل و جان سے آؤ پھر پیار کرلوں

رُخِ ماہِ تاباں سے چلمن ہٹا دو
حدودِ تعلّق کو اِک دم مٹا دو
بڑے حوصلے سے ملاقات کرلو
خلافِ توقع محبّت جتا دو
چلی آؤ اِک بار پھر پیار کرلوں

یہ رازِ محبّت چھپاؤ گی کیسے
سہیلی نے پوچھا بتاؤ گی کیسے
یہی رات دن ڈر مجھے کھا رہا ہے
تأثرِ وفا کا چھپاؤ گی کیسے
بہل جائے دل آؤ پھر پیار کرلوں

ادھر آؤ دل میں تمہیں میں بٹھا لوں
لگا ہوں میں اپنی تمہیں پھر بسا لوں
میرے ذہن میں پہلے ہی رم چکی ہو
کہاں اب تمہیں اے مری جاں چھپا لوں
یہ ہے فرض اِک بار پھر پیار کر لوں

چلی آ چلی آ مرے واسطے آ
بڑھی آ بڑھی آ مرے واسطے آ
کھنچی آ کھنچی آ مرے واسطے آ
اَنی آ اَنی آ مرے واسطے آ
تمنّا ہے اِک بار پھر پیار کر لوں
اَنی آ کہ اِک بار پھر پیار کر لوں

جہیز کی لعنت

لڑکی والے کا دیکھو حالِ زار
شادی لڑکی کی ہو گئی دشوار

ایک مانگے جہیز میں کوٹھی
دوسرا اس سے مانگتا ہے کار

ایک کہتا ہے نقد کیا دو گے
ایک کی ہے طلب پچاس ہزار

لڑکی والے کی جاں ہے جو غم میں
نظر آتا ہے خستہ و بیمار

مانگ کر لائے تو کہاں سے لائے
کوئی دیتا نہیں ہے اُس کو اُدھار

لاڈلی بیٹی جان سے پیاری
بنی ماں باپ کے لئے آزار

سوچتی ہے کہ خودکشی کر لے
یا کرے اختیار راہِ فرار

ڈرتی ہے لوک لاج سے معصوم
ہو نہ جائے کہیں ذلیل و خوار

جیون ایسا اُسے گوارا نہیں
کیوں نہ مر جائے اور چارہ نہیں

بند کر دو جہیز کی بدعت
دونوں جانب کی اس میں ہے عزت

○
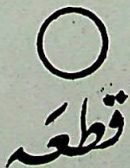
قطعہ

ایسا قانون ایک ہو جاری
قاتلوں کو سزائے موت جو دے
دُلہنوں کو جلا نہ پائے کوئی
ہے جہیز کی مانگ جو کرتے

شانِ ہند

ہند کی سر زمیں ہماری ہے
اِس کی مطلوب نگہداری ہے
تر و تازہ رہے قیامت تک
ہم پہ فرض اس کی آبیاری ہے

باغِ ہندوستاں میں گھومیں گے
ہم بہ ہر گام اس میں جھومیں گے
جان سے یہ عزیز ہے کُندن
ہم تو خاکِ وطن کو چومیں گے

یہاں بہتے تھے علم کے دریا
فیض اُس سے ہر ایک نے پایا
بے نظیرِ جہاں یہ ہے کُندن
ثانی کوئی نہیں ہوا اس کا

ہے یہ ہندوستاں وطن میرا
میں ہوں مالی یہ ہے چمن میرا
کیوں محبت نہ اُس سے ہو کُندن
بھرتے ہیں دم گُل و سمن میرا

مدح خواں سب طیور ہیں اس کے
مرد و زن سب غیور ہیں اس کے
اِس کی خود داریوں کا ذکر ہی کیا
چرچے نزدیک و دُور ہیں اس کے

نظر آتا ہے حق کا نُور یہاں
ہر پہاڑی ہے کوہِ طُور یہاں
اس کی رعنائیوں کے میں صدقے
ہر حسینہ ہے رشکِ حُور یہاں

قطعات

مے نوشی کے خلاف

مُشکلوں میں ہمیں پھنساتی ہے
آفتیں نو بہ نو یہ ڈھاتی ہے
بادہ نوشو تم اس سے دُور رہو
ہر مصیبت یہ سر پہ لاتی ہے

عقل و دانش کو یہ دباتی ہے
جوش دے کے یہ ہوش اُڑاتی ہے
اِس کو کہتے ہیں آتشِ سیّال
جِسم کو جان کو جلاتی ہے

حق و انصاف جوکی ہے دشمن
صاحبِ نیک خوکی ہے دشمن
پینے والو حذر حذر اس سے
عزت و آبرو کی ہے دشمن

ہر سبق یہ بُرا پڑھاتی ہے
ہر راہِ بد پہ لے کے جاتی ہے
کام اچھا نہیں سکھاتی ہمیں
ہر بُرا کام یہ سکھاتی ہے

دیش اپنا ہے نیک کاروں کا
دھرم والوں کا دین داروں کا
مے گُساروں کا اس میں کام ہی کیا
یہ تو کُندن ہے جاں نثاروں کا

عرض میری ہے اس قدر تم سے
تم نہ دارو یہ پُر عذاب پیو
پینا ہی ٹھہرا ہے اگر تم کو
اُلفتِ قوم کی شراب پیو

اہلِ وطن سے بچوں کی فریاد

بیدار ہمارے ذہن رہیں ہرگز یہ رہینِ خواب نہ ہوں
ہر وقت ثواب پہ مائل ہوں دل عصیاں پر بیتاب نہ ہوں
ورثے میں ملی ہیں یہ قدریں با آب رہیں بے آب نہ ہوں
ہیں اپنے وطن کی تقدیریں ہم یوں ہی کہیں برباد نہ ہوں

اے اہلِ وطن دیکھو تو ذرا ہم کلیاں ہیں اس گلشن کی
پھینکے نہ کوئی ہمیں گلخن میں اور خاک بنیں ہم گلخن کی
اُن نظروں کا بھی علاج کرو رہتی ہیں جو ہم پر دشمن کی
ہیں اپنے وطن کی تقدیریں ہم یوں ہی کہیں برباد نہ ہوں

لازم ہے تم پر فرض یہی ہم شاد رہیں مجبور نہ ہوں
تم سب کی ہم پر شفقت ہو ہم دُنیا میں مقہور نہ ہوں
پُر نور ہمارے چہرے بھی پُر نور رہیں بے نور نہ ہوں
ہیں اپنے وطن کی تقدیریں ہم یوں ہی کہیں برباد نہ ہوں

ہم جوش میں بھی باہوش رہیں اور ہوش میں بھی باجوش رہیں
کوئی بھی غلط کیوں ہم سے کہے کیوں سُن کے اُسے خاموش رہیں
ہاں کیوں نہ وطن کی خاطر ہم ہر وقت کفن بردوش رہیں
ہیں اپنے وطن کی تقدیریں ہم یوں ہی کہیں برباد نہ ہوں

ہم سے یہ محبّت کی دولت بے جا جو لوگ چُراتے ہیں
ذہنوں میں ہمارے نفرت کا پودا وہ لوگ لگاتے ہیں
نادانوں کو معلوم نہیں کیا کھوتے ہیں کیا پاتے ہیں
ہیں اپنے وطن کی تقدیریں ہم یوں ہی کہیں برباد نہ ہوں

بھولے سے کبھی ہم پر ظلم نہ ہو اُلفت کی نظر ہر آن رہے
آنکھوں میں نہ آنسو بھر آئیں ہونٹوں پہ سدا مسکان رہے
ہم جینے سے بیزار نہ ہوں جینے کا ہر سامان رہے
ہیں اپنے وطن کی تقدیریں ہم یوں ہی کہیں برباد نہ ہوں

کُندن کی طرح ہم دمک اُٹھیں سورج کی طرح ہم چمک اُٹھیں
معصوم ہیں ہم کلیوں کی طرح پھولوں کی طرح ہم مہک اُٹھیں
ہر حق کا ہم کو گیان ملے شعلے کی طرح ہم لپک اُٹھیں
ہیں اپنے وطن کی تقدیریں ہم یوں ہی کہیں برباد نہ ہوں

میرا جیون کام نہ آیا

وِدّیا جن سے کوسوں بھاگے
آج قلم اُن کے ہت ساجے
ہنس کو دانہ موتی کاگے
یہ بے ڈھنگی چال مٹا دے
کون کہے جا کس کے آگے
ایسا اوسر مجھ کو دے دو
میرا جیون کام نہ آیا
جیسے دُوب کی دُھوپ میں چھایا

علم کا دیپ جلا ورتے سے
رکت رگوں میں ملا ورتے سے
اپنے دیش کا پروانہ ہوں
رن کا گیان ہوا ورتے سے
کون کہے جا کس کے آگے
ایسا اوسر مجھ کو دے دو
میرا جیون کام نہ آیا
جیسے دُوب کی دُھوپ میں چھایا

جن ہاتھوں میں جھاڑو پھبتے
وہ ہیں رکھشا دیش کی کرتے
مت پوچھو ڈرپوک ہیں کتنے
اپنے سائے سے ہیں ڈرتے
کون کہے جا کس کے آگے
ایسا اوسر مجھ کو دے دو
میرا جیون کام نہ آیا
جیسے دُوب کی دھوپ میں چھایا
چاہے جاتا اپنے تن سے
دیش کی رکھشا کرتا من سے
آندھی بن کر رن پر چھاتا
شترو بھاگ ہی جاتا رن سے
کون کہے جا کس کے آگے
ایسا اوسر مجھ کو دے دو
میرا جیون کام نہ آیا
جیسے دُوب کی دھوپ میں چھایا

تن ہے تیرا دن سب اُجلا
من ہے رات کی صورت کالا
اپنے من کو تن سا کر دے
کون کہے جا کس کے آگے
ایسا اوسر مجھ کو دے دو
میرا جیون کام نہ آیا
جیسے دُوب کی دھوپ میں چھایا

شیتل من سے بیٹھ کے باچیں
گھِرنا کی یہ نہیں ہیں گھاتیں
کہتے ہیں ہم سچی باتیں
دن کو دن راتوں کو راتیں
چھتری شودر ویش برہمن
ان کو ان کے کام سے پائیں
کون کہے جا کس کے آگے
ایسا اوسر مجھ کو دے دو
میرا جیون کام نہ آیا
جیسے دُوب کی دھوپ میں چھایا

اِتنا کام تو مُجھ سے لے لو
ہاتھوں میں اک جھاڑو دے دو
اپنے دیش کو اُجلا کردوں
اس جیون میں کچھ تو کرلوں
کون کہے جا کس کے آگے
ایسا اوسر مُجھ کو دے دو
میرا جیون کام نہ آیا
جیسے دُوب کی دُھوپ میں چھایا

گیانی سب پھرتے ہیں مارے
بے علموں کے وارے نیارے
کُندن تیرے صاف اشارے
دیش کے ہت میں ہیں یہ سارے
کون کہے جا کس کے آگے
ایسا اوسر مُجھ کو دے دو
میرا جیون کام نہ آیا
جیسے دُوب کی دُھوپ میں چھایا

چودہ سے چالیس سالوں تک کی عورتوں پر

شاعرانہ تنقید

چودھویں[۱۴] سن میں جو ہے وہ ماہ رُو
خوش خصال و نیک طینت نیک خُو
سبز پتّوں میں ڈھکے گُل کی طرح
وہ حسینہ ہے اور اُس کی آبرو

یہ حسینائیں پندرھویں[۱۵] سن کی
قامتیں سرو کی طرح جن کی
جسم سیمیں کی لمس سے اکثر
جھوم اُٹھتی ہے نازکی اُن کی

سترہ[۱۷] کے جو سن سے ہے نیچے
اس کو دیکھا ہے پردے کے پیچھے
اس طرح ہے کہ جیسے اِک چشمہ
لہریں لیتا ہو کوہ کے نیچے

سترہ[17] کے سن میں جو بھی داخل ہے
اہلِ دل کے لئے وہ قاتل ہے
تیر و شمشیر ہے نظر اُس کی
قتل کرنے پہ بس وہ مائل ہے

سن اٹھارہ[18] بھی ہے سن یوں لاجواب
ہر حسیں ہے اس میں رشکِ ماہتاب
دیکھ کر آنکھیں اُسے خیرہ نہ ہوں
دوپہر کا جب کہ چمکے آفتاب

جب نہ ہوگا سراہنے والا
نہ ہو وہ[19] سن کا چاہنے والا
سیب پختہ ہے گر پڑے گا پھر
جب نہ ہوگا بیاہنے والا

بیسواں[20] سال جب ہوا جاری
حسن کا آفتاب ڈھلنے لگا
صاف لفظوں میں یہ کہو کندن
داغ سورج پہ ایک لگنے لگا

سِن اکیس[۲۱] میں حسُن جب آیا
اہلِ نظر کے وہ مَن بھایا
جیسے گرمی میں خوش کردے
راہگیروں کو پیڑ کی چھایا

سِن بائیس[۲۲] کی جو ہیں شکلیں
ان کے حق میں بے شک لکھ لیں
مست بنا دیتی ہے جیسے
سازِ رباب سے نغمے نکلیں

پاؤں جو رکھا تیئیسویں[۲۳] میں
بدل گئی سب حسُن کی چال
پھرنے لگا وہ چوکڑی بھر کر
ڈالے صیّادوں نے جال

سال چوبیسویں[۲۴] کے شیریں وصف
جیسے مصری ہو یا کہ ہو گلقند
زرنگار اس کا مطلع و مقطع
جس طرح سے قصیدے میں ہوں بند

برس پچیسویں ۲۵ میں جب وہ آیا
نسیم صبح نے مژدہ سنایا
کہ آؤ تم بھی اپنے دل کو بہلاؤ
ہے میں نے مسرت مستی سے جگایا

پہنچا جب چھبیسویں ۲۶ میں ماہتاب
یوں نظر آیا کہ گلشن کا گلاب
دیکھنے والوں کی یہ خواہش ہوئی
اُس کو سینے سے لگالیں وہ شتاب

سن ستائیس ۲۷ کا حسیں یارو
بے گماں مثلِ بدرِ کامل ہے
غم اُسے کھائے جاتا ہے اب یہ
آئے دن گھٹنے پر وہ مائل ہے

سن اٹھائیس ۲۸ پر نکھار ہے یوں
جانے کو باغ سے بہار ہے جوں
کندن اپنا عقیدہ بھی ہے یہی
پینے کو ہے خزاں بہار کا خوں

پہنچے جب انتیسویں[۲۹] میں پیک ناز
ہے صدائے دلکشائے حیلہ باز
سُننے والوں کو لُبھاتی جائے وہ
جوں اندھیری رات میں بجتا ہو ساز

وصف میں سن تیسنویں[۳۰] کے ہے بیاں
بعد مٹنے کے رہے ہیں جو نشاں
عہدِ ماضی کی ہے گویا داستاں
یہ کبھی ہو گی عمارت ضوفشاں

ذکر اب تک جو ہوا ہے اوروں کا
سن اب اکتیسویں[۳۱] کی حوروں کا
فصلِ آخر کے ہیں یہ پختہ ثمر
یا لدا سا نخل ہے یہ پھولوں کا

سال جب بتیس[۳۲] کی وہ ہو چکی
عمر گویا اپنی سب ہے کھو چکی
صبح دم اِک شمع کی مانند ہے
ختم جس کی روشنی سب ہو چکی

سن تینتیس ۳۳ کتابی مکھڑا
شیرازہ ہے جس کا بکھرا
بکھرے بکھرے سب اوراق
کہتے ہیں خود اپنا دکھڑا

وصف میں چونتیس ۳۴ کے یہ کہہ گئے
وصف کے سب آبشارے بہہ گئے
یہ قبا کندن معطّر تھی کبھی
جس میں کچھ آثارِ خوشبو رہ گئے

سال پینتیسویں ۳۵ کی رعنائی
تھی جو پُرزور اب نحیف سی ہے
جیسے سورج کے ڈوبنے کے بعد
روشنی ہے مگر خفیف سی ہے

سال چھتّیس ۳۶ بھی نرالا ہے
گھر میں جس طرح اُجالا ہے
یا وہ ہے صورتِ ستارۂ صبح
جو کہ نابود ہونے والا ہے

سِن سینتیسویں[۳۷] کا پیکرِ ناز
حُسن کا جس کے بس رہا یہ راز
بند دروازوں کا ہو جیسے مکاں
خالی گرمابہ کی ہو جوں آواز

ہے یہ اڑ تیسویں[۳۸] کی صرف ادفات
سنو کی کہتا ہوں تم سے میں اک بات
گرم پانی ملے جوں پیاسے کو
تپتے صحرا میں صورتِ سوغات

سِن انتالیسویں[۳۹] کو کھہ گئے
نقش دُھندلے اس کے مٹتے رہ گئے
تھی عمارت قابلِ تعریف یہ
لیکن اب اس کے نظارے گھہ گئے

وقت سِن چالیسویں[۴۰] کا اب کہاں
ہے وہ اِک بے کار کوچے کا مکاں
ناقدروں نے اس طرح سے بھی کہا
ہے حمامِ بے دریچہ بے گماں

کام کی باتیں

آمد کے مطابق ہو خرچ تو لیاقت ہے
آمد سے زیادہ ہو خرچ تو حماقت ہے
دانائی اسی میں ہے ہوں پیر رضائی میں
عزت کی حفاظت ہے اُن کی علامت ہے

ہے غور کے قابل یہ نہیں بات ہنسی کی
تم دل کی کرو مانو نہ ہر بات کسی کی
جو چیز پسند اپنے لئے تم کو نہیں ہے
ہرگز نہ دو ترغیب تم اوروں کو اُسی کی

غصہ ہو تو بھی سمجھ کر بات کر
جوش میں بھی ہوش کی سی بات کر
برتری اسی میں ہے اِسی میں بہتری
ذی مراتب سے سدا کم بات کر

راز ہے بات آہستہ کر
مان لے بات آہستہ کر
دُور جاتی ہے سنّاٹے میں
رات ہے بات آہستہ کر

کر دو کام سوچے نہ سمجھے بغیر
نہ کل پر رہو آج سوچے بغیر
مددِ دستِ غیبی کی ہو تو بنے
نہ ہو کوئی بھی کام اس کے بغیر

ہے بزرگوں کا یہ خیال درست
نیکی کا ہوتا ہے مآل درست
سود ہے دوستی میں دانا کی
تجربہ کار کی مثال درست

پیش آ دوستوں سے الفت سے
اور غیروں سے بھی محبّت سے
لُطف لینا ہے زندگی کا اگر
کام لے زیست میں مروّت سے

ماں باپ کا ہے اونچا رُتبہ
گُرُ جی کا اُن سے بھی بلند
خالق تک یہ پہنچاتا ہے
اس پہ نہیں کچھ قید و بند

اپنی دولت دکھا نہ دوست کو تُو
بات اُس کی بتا نہ دوست کو تُو
دوست لالچ میں بن نہ جائے عدو
دشمن اپنا بنا نہ دوست کو تُو

بلا، بلا نہیں رہتی اگر صدقہ کر لو
خرد، خرد نہیں رہتی اگر غصہ کر لو
منش، منش نہیں رہتا اگر رشوت لے لے
گنہ، گنہ نہیں رہتا اگر توبہ کر لو

محبوب سے یاروں کا گلہ ہوتا ہے
اپنوں ہی سے اپنوں کا گلہ ہوتا ہے
ہرگز نہ بُرا مان گِلے کا اے دوست
شاہوں کے بھی شاہوں کا گلہ ہوتا ہے

تجھے تو ہے اُن سے محبّت زیادہ
مگر وہ تو کرتے ہیں نفرت زیادہ
یہی تو ہے دستورِ دُنیا مرے دوست
محبّت سے بڑھتی ہے نفرت زیادہ

رکھ راز کو چھپا کے نسواں کے رُوبرُو
دانتوں کی کر صفائی نہ اوروں کے رُوبرُو
اقوال زرّیں ہیں انہیں رکھ باندھ کر گرہ
غصّہ نہ کر کسی سے تو مہماں کے رُوبرُو

جو ظاہرا پاکی ہے
اوروں پہ نہ شاکی ہے
یہ قول ہے کُندن کا
وہ باطنی پاکی ہے

نیک ہو اولاد تیری تجھ پہ لازم ہے یہی
پرورش میں اُن کی غفلت اے بشر برتا نہ کر
تا بنے ملّت کی اپنی پُر ضیا شمس و قمر
اس کی ہر بہتر ادا پر تو کبھی سایا نہ کر

قطعات برموقعہ گل پوشی جناب جیمنی سرشار

جانشیں محروم کے یہ جیمنی سرشار ہیں
ہر گھڑی ہر لمحہ ہر دم ہر طرح بیدار ہیں
ہو مبارک انجمن میں آج گل پوشی انھیں
صاحبِ فن صاحبِ دل صاحبِ کردار ہیں

کبر و نخوت سے دور ہیں سرشار
صاحبِ باشعور ہیں سرشار
جگمگاتی ہیں ظلمتیں اُن سے
مہرِ دانش کا نور ہیں سرشار

قطعۂ مبارک

جناب بسمل حیرتی کے اکہتّرویں جنم دن پر ۱۰/۱۱/۸۱

بہتر سال بعد آیا جنم دن تیرا بسمل
سو سو مبارکیں تجھے اے شاعرِ عظیم
کندن کی ہے دعا تو قیامت تلک جیئے
گمراہوں کو دکھاتا رہے راہِ مستقیم

قطعۂ مبارک

آؤ کُندنؔ اُنھیں مبارک دیں
ان سے شاداب ہے سخن کا چمن
شاعرانِ مسیح نے مانا
موجِ زیبائی کو "بہارِ سخن"

امیرالشعرا پنڈت وشتہ پرشاد فدا

جناب کی وفات ۱۹۵۹ء میں ہوئی تھی

رونقِ انجمن نہیں ہم میں
حیف امیرِ سخن نہیں ہم میں
لاڈلا وہ سپوت بھارت کا
اُف فدائے وطن نہیں ہم میں

بروفات شری سنجے گاندھی سپوت بھارت

اہلِ بھارت نے کس لئے کُندنؔ
آج رونے کی شرط باندھی ہے
کیوں نہ روئیں وہ کیوں نہ جاں کھوئیں
ماتمِ مرگ سنجے گاندھی ہے

سنجے بھارت کو دل سے پیارا تھا
ہند کے آسماں کا تارا تھا
تھا غریبوں کا حامی و ہمدرد
بے سہاروں کا وہ سہارا تھا

بر وفات جناب ایم اے خلیل ایڈیٹر "عوامی اقتدار" حیدر آباد ۲۳ فروری ۱۹۸۰ء

چل دیئے ہیں ہائے دُنیا سے جلیل
حال سے بے حال ہیں ایم اے خلیل[1]
تھی نہ کُندن کچھ خبر اس بات کی
اس قدر لائے تھے وہ عمرِ قلیل

قطعات

بر وفات جناب عالی عرشی ملسیانی

بزمِ شعر و سخن ہے گریہ کُناں
ماتمِ عرشؔ ملسیانی ہے
اشک تھمتے نہیں ہیں اے کُندن
آہ و زاری ہے نوحہ خوانی ہے

---

[1] مرحوم کے صاحبزادے ہیں جو اب "عوامی اقتدار" کی ادارت سنبھالے ہوئے ہیں۔

بزمِ دُنیا سے اُٹھ گیا ہے عرشؔ
جس کو دیکھو وہ بے قرار ہے آج
چہرے اُترے ہوئے ہیں یاروں کے
بزم کی بزم سوگوار ہے آج

سچ تو یہ ہے جہاں میں اے گُندنؔ!
نقش بر آب زندگانی ہے
انقلابِ زمانہ سے وہ عرشؔ
این جہانی سے آں جہانی ہے

جس کو دیکھو وہ ہے اُداس اُداس
ماتمی ماتمی ہے بزمِ سخن
چل دیئے چھوڑ کے وہ عرشؔ ہمیں
"آہ کیسا غضب ہوا گُندنؔ"

۲۰۳۶ بکرمی

(یادگارِ عرشؔ ملسیانی" مرتبہ مالک رامؔ جنوری ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئے)

مثنوی

لذّتِ عشق

مصنّفہ

کُندن لعل گُنڈان

حمد

کروں میں بیاں حمد ربِّ جہاں
ہے ہر چیز پر جس کا جلوہ عیاں

نہیں، اس کا کوئی بھی ثانی نہیں
وہی غیر فانی ہے، فانی نہیں

کروں اس کی تعریف کیسے رقم
کہاں سے لیں ایسے دوات و قلم

نہ پتّا ہلے اس کی مرضی بنا
نہ کچھ ہو سکے اُس کی مرضی بنا

نعت

کیئے اُس نے لاکھوں پیامی رواں
سری رام، جِسّس محمّد یہاں

ثنا اُس کے پیغمبروں کی ہو تب
سمندر سما جائے کوزے میں جب

لذّتِ عشق

حقیقی لگن میں جو جاتا ہے کھو
مزا عشق کرنے کا پاتا ہے وہ

جَلائے ہیں اُس نے دلوں میں دیئے
اندھیرے دِلوں میں اُجالے کیئے

ہوا امتحاں بھگت پرلاد کا
ذرا بال بیکا نہ ہونے دیا

گیا رام بن باس چودہ برس
چکھایا صلیبوں کا جِسّس کو رس

گیا راہِ حق سے ذرا جو بھٹک
تو راوَن کی صورت گیا وہ بہک

دیا چھوڑ گوتم نے سب ٹھاٹ باٹ
لگا دی اُسے عشق کی ایسی چاٹ

خیالات اُس کے گئے جھٹ پلٹ
لگائی جو نانک نے تیرا کی رٹ

آغازِ داستان

سُنو میری دلچسپ یہ داستاں
حقیقت پہ مبنی ہے سارا بیاں

سڑک پر جو جاتا تھا اک راہ گیر
یکایک ہوا حادثے کا اسیر

پڑا راہ میں تھا، جو پتھر وہاں
مصیبت کا باعث بنا ناگہاں

اُسی سے وہ ٹھوکر جو کھا کر گرا
مقدّر سے انمول موتی مِلا

گیا پھر وہ تکلیف کو اپنی بھول
بہ سر چشم کی ربّ کی نعمت قبول

بجا لایا اک دم وہ شکرِ خدا
عقیدت سے پھر اس کا بوسہ لیا

نہ پتھر سے پھر اس کو نفرت ہوئی
محبّت ہی پتھر سے دل میں جگی

اُسے دل سے مانا فرشتہ خصال
فرشتہ خصال و فرشتہ جمال

اُٹھا کر وہ لایا اُسے اپنے گھر
یہ کیا ہے بتا اُس سے بولا پدر

تو اُس نے کہا کہ یہ ہے دیوتا
اسی کی میں پوجا کروں گا سدا

کہا پھر پدر نے کہ پتھر ہے یہ
کنارہ تو کر اس سے بہتر ہے یہ

تو پھر باپ سے اپنے اس نے کہا
مخل ہوں نہ آپ اس میں بہرِ خدا

گھِسا اُس نے اس کو دِکھایا کمال
کہ ظاہر ہوا اک فرشتہ خصال

تو پھر اُس پہ اُس کی عقیدت بڑھی
نظر کو سکوں دل کو فرحت ملی

عبادت اُسی کی وہ کرتا رہا
فرشتہ جو اُس کا تھا پتھر نما

یہ یک طرفہ پوجا تھی بے لوث تھی
کچھ آگاہی پتھر کو لیکن نہ تھی

کسی کے یہ من کا بنا دیوتا
کسی کے یہ تن کا بنا دیوتا

یقیں اس کو بالکل ہی پختہ تھا یہ
نہیں ہے یہ پتھر فرشتہ ہے یہ

تو وہ قدر پھر اس کی کرتا رہا
بنا اس کے حق میں وہ اِک دیوتا

عقیدت جو تھی دھن برسنے لگا
محبّت جو تھی دھن برسنے لگا

لگی پھیلنے آن چاروں طرف
لگی گونجنے شان چاروں طرف

یقیں مانو اس کو سنو تم ذرا
جو در پیش آیا مرے حادثہ

خیالوں کی میری نہ پرواز ہے
دھڑکتے ہوئے دل کی آواز ہے

یہ فوق البشر کی کہانی نہیں
کسی بادشہ کی زبانی نہیں

نہ سسّی نہ پنّوں کی ہے داستاں
جو کرنے لگا ہوں یہاں میں بیاں

نہ لیلیٰ و مجنوں کا قصہ یہاں
نہ دل پھینک عاشق کی ہے داستاں

نہ یوسف زُلیخا کہانی کے ہیں
نہ قصے یہ میری جوانی کے ہیں

نہ رانجھا تڑپتا ہے کہہ کہہ کے ہیر
مری آپ بیتی بھی ہے بے نظیر

نہ شیریں و فرہاد سا حادثہ
ہوا ہے نہ یاں پر کبھی رونما

نہیں سونی مہوال کا تذکرہ
ہوا ہے کسی کا نہ گھر یاں تباہ

یہ جگ کی نہیں آپ بیتی ہے یہ
الم میں خوشی میں بھی ڈستی ہے یہ

ہے دل میں مرے جو یہ رنج و محن
ہیں بالائے دورِ جدید و کہن

جو درپیش ہے یہ مرے حادثہ
نہیں کل کا برسوں کا ہے آج کا

تھا رنگین موسم تھی فصلِ بہار
گلوں کے رُخوں پر عجب تھا نکھار

شمیمِ معطّر تھی چاروں طرف
نسیمِ معطّر بھی چاروں طرف

میں کل جب ہوا گھر سے دفتر رواں
مِلا پھر مجھے وہ حسینِ زماں

یکایک نگاہیں پڑیں اس پہ جب
نگاہیں پڑیں اس کی مجھ پر بھی تب

اچانک یہ آنکھیں جو ٹکرا گئیں
ہوا سحر ایسا کہ پتھرا گئیں

ہوئیں جونہی آنکھیں یہ آپس میں چار
حسیں مکھ پہ پایا عجب اک نکھار

جبیں پر کرن سحر جادو کی تھی
جو مکھڑا پلٹتے ہی غائب ہوئی

کیا اُس کے جادو نے ایسا اثر
ہوا ساتھ موسیٰ کے جو طور پر

یقیں مانیئے تھی کچھ ایسی کرن
کہ بشاش جس سے ہوا میرا من

میں حیران اُسے دیکھ کر ہو گیا
خیالوں کی وادی میں میں کھو گیا

اُسی وقت میں کچھ لگا سوچنے
کہ خوابِ گراں بھی لگا دیکھنے

نظر نے کہیں دھوکا کھایا نہ ہو
کہ بندیا نے جادو دِکھایا نہ ہو

مگر اُس کے ماتھے پہ بندیا نہ تھی
کہ بندیا کی اس کو تمنّا نہ تھی

جگی میرے من میں یہی اِک لگن
خدارا اُسی سے ہو میرا مِلن

اسی سوچ میں تھا کہ بس آ گئی
میں چلتا بنا رہ گئی وہ کھڑی

مگر اُس کرن نے وہ پیچھا کیا
کہ دفتر بمشکل میں پہنچا ہی تھا

ملی وہ خبر جس کا امکاں نہ تھا
مِلا وہ بشر جس کا امکاں نہ تھا

تھا پت جھڑ کا موسم بہار آ گئی
تر و تازگی ہر طرف چھا گئی

مرے دل میں وشواس پیدا ہوا
اثر حادثے کا یوں پیدا ہوا

وہ عشرت کے دن پھر پلٹنے لگے
مصیبت کے دن روز گھٹنے لگے

ہوئی اس سے مل کر انوکھی خوشی
کلی میرے دل کی بھی بس کھل اُٹھی

اُمنگیں جواں دل کی ہوتی ہیں جب
ترنّم میں دل گنگناتا ہے تب

بدلتی ادا کا اثر یہ ہوا
گلستاں کی مانند بھی گھر کھِل اُٹھا

خوشی سے لگا میرا من جھومنے
عزیزوں کا مُنہ میں لگا چُومنے

عزیز و اقارب بڑے خوش ہوئے
مجھے خرّم و شادماں دیکھ کے

میرے دوست کرنے لگے پھر سوال
بتا دو ہمیں بھی خوشی کا یہ حال

بتایا اُنھیں "بات کچھ بھی نہیں"
جو دل میں تھا چہرہ چھپاتا نہیں

یہ مانا کہ غم کا نشاں تک نہیں
زیادہ خوشی بھی تو اچھی نہیں

بتا دو بتا دو چھپاؤ نہ کچھ
وگرنہ بتا دے گا سب حال مکھ

ہمیں بھی کرو تم خوشی میں شریک
نہ سمجھو نہیں غیر ہم ہیں شریک

مرے من میں اس نے جلایا دیا
اندھیرا تھا اس نے اُجالا کیا

خدا کی خدائی کا منکر جو تھا
خدا کی خدائی کا قائل ہوا

کبھی بت کدوں میں میں جاتا نہ تھا
مساجد میں میں سر جھکاتا نہ تھا

نہ گرجا گھروں سے پڑا واسطہ
الگ میرا سب سے رہا راستہ

اسی حادثہ کا اثر یہ ہوا
خدا کے گھروں میں میں جانے لگا

کبھی بت پرستی پہ مائل نہ تھا
مگر اس حسیں بت پہ میں ہوں فدا

عبادت مری بھی یہ یک طرفہ تھی
فرشتے کو میرے خبر تک نہ تھی

وہ میری عبادت کا مرکز بنی
عبادت میں حاصل ہوئی اک خوشی

یہی رات دن کرتا رہتا میں جاپ
کہ ہو جائے اس سے مرا بس ملاپ

پری چہرے نہ اس سے کبھی پہلے تھا
ہے کیا نام، کرتی ہے وہ کام کیا

الگ راہ تھی میری منزل جدا
نہ منزل سے اس کی رکھا واسطہ

یقیں مانیئے من کا وشواش ہے
عنایت اسی کی رہی خاص ہے

تصور میں آ جائے ہے جس گھڑی
تو میں سامنے دیکھتا ہوں کھڑی

خیال اس کا لے کر کیا جو بھی کام
یقیناً ہوا اس سے میں شاد کام

گیا میں کہیں بھی جو گھر چھوڑ کر
تو سایہ بھی اس کا رہا ہم سفر

سدا راہِ بد سے بچاتا رہا
مجھے نیک رستے پہ لاتا رہا

مرے ہر قدم پر محافظ رہا
میں خود اس کا ممنون رہنے لگا

چرٹ پینے کی میری عادت گئی
کہ دارو سے بھی سخت نفرت ہوئی

کسی سے لئے دل میں نفرت نہ تھی
اگر تھوڑی تھی بھی تو وہ مٹ گئی

سبھی کا میں سمّان کرنے لگا
سبھی کو سر آنکھوں پہ دھرنے لگا

کسی کے نہ دل کو دکھایا کبھی
مرا پھر دکھائے بھی کیوں دل کوئی

یہ کس کی عنایت ہے کیا راز ہے
مسرت کی لے میں جو یہ ساز ہے

اُسی کی سبھی یہ کرامات ہے — وگرنہ کہاں میری اوقات ہے

خوشی میرے ربّ کو جو منظور تھی — دُعا اُس نے میری بھی منظور کی
مرا گھر بہت دُور دفتر سے تھا — تو نزدیک اُس نے مقرّر کیا
تقرّر ہوا جب کہ گھر کے قریب — قرابت ہوئی اُس حسیں سے نصیب
بسایا ہوا دل میں جس کا تھا خیال — لگا ہونے اب اُس سے ہر دم وصال
مُلاقات ہونے لگی صبح و شام — لگیں ہونے باتیں جہاں کی تمام
جو تھا اجنبی آشنا ہو گیا — جو تھا دیوتا اب خدا ہو گیا
ہوئے میرے پیشے سے وہ آشنا — لگا اُس کے پیشے کا مجھ کو پتا
جو آپس میں نزدیک آنے لگے — خدا کے بھی نزدیک جانے لگے
مری جان کو غم نہ کوئی رہا — رہا شاد و خرّم میں صبح و مَسا
سدا میں رہا دامنِ ہوش میں — نہ بہکا میں غصّہ کے بھی جوش میں
بُرا آیا دل میں مرے کب خیال — سمجھتا تھا اُس کو فرشتہ خصال
وطیرہ یہ میرا رہا ہے سَدا — کہ مُجھ سے نہ سرزد ہو کوئی خطا
میں رہتا تھا ہر دم یہی سوچتا — نہ ہو جائے مُجھ سے کہیں وہ خفا

ہوا ایک دن اور بھی حادثہ — بغل میں مری تھا وہ بیٹھا ہوا
چلی جا رہی تھی بڑی تیز بس — ہوا سے بھی کرتی تھی باتیں زبس
کسی چوک پر لال بتّی ہوئی — تو چلتی ہوئی بس وہیں رُک گئی
جو جاری ہوا اُس کا پھر سِلسلہ — اچانک کوئی سامنے آ گیا
تو چالک نے اِک دم لگایا بریک — نہ ہو حادثہ جھٹ دبایا بریک

خیالوں میں بیٹھی تھی اُچھلی وہ یوں
کہ شاید نہ اُچھلی کبھی تھی وہ یوں
اُسے چوٹ لگنے نہ دی بس ذرا
کلائی سے اُس کو پکڑ جو لیا
اچانک ہوا سب اچانک ہوا
نہ تھا آج تک میں نے اس کو چھوا
نہ اُس حادثے کو چھپا میں سکا
سرِ شام گھر میں دیا سب بتا
کہ درپن چھپاتا نہیں کوئی بات
تھی درپن سے بڑھ چڑھ کے اپنی یہ ذات
سُنا جو وہ سچّا ہے سارا بیاں
ہوا جو اُسی کو لکھا ہے یہاں

بیاں کر رہا ہوں میں آگے کا حال
گزرنے لگے یوں ہی سب ماہ و سال
وہ ہے نیک صورت وہ ہے نیک فال
کیا دولتِ اُنس سے مالا مال
نہ جانے وہ کیسا عجب وقت تھا
جگا یا اُسی نے میرا بخت تھا
کبھی زندگی میں گزرتے ہیں پل
جو نو رُّا اُسے بھی ہیں دیتے بدل
اُسی نے بہت سے ہیں احساں کئے
نہ بدلہ کسی کا اُسے دے سکے
کیا اُس نے اب تک نہ کوئی سوال
جو کرتی تو کرتا وہ حل لا محال
جب آپس میں یوں آشنا ہو گئے
تو پابندِ رسم و وفا ہو گئے
سفر میں کہیں جانا ہوتا جو دُور
بتا کر ہی آپس میں جاتے ضرور
کیا کرتے آپس میں یہ بھی سوال
ہے کب لوٹنے کا تمہارا خیال
اچانک اگر دُور جانا پڑا
مہینے سے زائد میں آنا پڑا
اچانک وہ کرتے تھے پھر یہ سوال
سُناؤ ذرا تم نہ آنے کا حال
کر سمس دسہرا گھڑی شُبھ کوئی
وہ پیغام لے کر خوشی کے گئی
یہ سمجھو کہ دو جسم یک جان تھی
خدا میں پُجاری میں پہچان تھی
اسی طور سے دن گزرتے گئے
جو تھے فاصلے درمیاں ہی رہے

نہ نزدیکیاں تھیں نہ تھیں دوریاں ‏— نہ تھیں درمیاں خاص مجبوریاں
مناسب رہا فاصلہ درمیاں ‏— پجاری کہاں ہے خدا ہے کہاں
یہی تھی تمنا سدا خوش رہے ‏— جہاں بھی رہے دلربا خوش رہے
کبھی اُس پہ کوئی مصیبت نہ ہو ‏— خدارا اُداسی کی حالت نہ ہو
رہا میرے دل میں سدا یہ خیال ‏— رہے خوش و خرم فرشتہ خصال
عنایت کا اُس کی میں ممنون تھا ‏— رکھی تھی ہمیشہ جو اُس نے روا
کبھی اُس کو گر دیکھتا میں ملول ‏— اُداسی میں اپنے کو جاتا میں بھول
یہی سوچتا رہتا تھا میں سدا ‏— نہ مجھ سے ہوئی ہو کہیں کچھ خطا
بہت سوچتا میں نہ کچھ سوجھتا ‏— اُسی سے میں آخر میں جا پوچھتا
ہے کیا بات کیوں ہو اُداسی میں تم ‏— بتایا "نہیں ہے مجھے کوئی غم"
گزرتے گئے دن گزرتے گئے ‏— تھا لطف بھی ہم نذر کرتے رہے
اچانک وطن سے جو آیا تھا تار ‏— چلی ریل گاڑی پہ ہوکر سوار
مسرت میں وہ بھی گئی جھومتی ‏— اُمیدیں ہزاروں سمیٹے ہوئی
خدا کے بھی گھر سے یہ آئی صدا ‏— اتی عقد تیرا مقدر ہوا
ہوئی شادی اُس کی بڑی آن سے ‏— فرشتوں نے سہرے پڑھے شان سے
کیے اُس نے اُس روز سولہ سنگھار ‏— گیا دولہا بھی تھا جہاں کاروبار
وطن سے ہوئی واپسی جب یہاں ‏— حقیقت ہوئی پھر یہ ہم پر عیاں
روانہ اُسے جو بھی تحفہ کیا ‏— خوشی سے قبول اُس نے وہ کرلیا
مسرت ہوئی ہے مجھے جس قدر ‏— اتی کو بھی اتنی نہ ہوگی مگر
پھلیں پھولیں گلشن میں دونوں یہ پھول ‏— رہیں خوش سدا ہوں نہ ہرگز ملول
مہکتے رہیں یوں ہی خوش سدا ‏— نہ دیکھے کبھی کوئی ان سے سوا

دُعا لکھ کے بھیجی تھی میں نے یہی
زمانے کا کچھ اور ہی دَور تھا
کہ رہنے لگی پھر آنی کچھ اُداس
جو ہفتہ دو ہفتہ یہ حالت رہی
اثر دل پہ میرے جو اس کا ہوا
یہی سوچتا دل میں، میں رہ گیا
خیال دوئی نے رُلایا نہ ہو
کئی روز سے خط بھی آیا نہ ہو
نہایت اُداسی جو بڑھنے لگی
جو کچھ ہو رہا تھا نہ میں سہہ سکا
ہے کیا بات کیوں خود فراموش ہو
ہوا ہے اگر مجھ سے کوئی قصور
جہاں میں بھی ہوتے ہیں کچھ بے شعور
اثر بات کا میری ایسا ہوا
کہ دفتر کے پی۔این نے ہے یہ کہا
حقیقت ہے کیا میں نے جانا نہیں
یہاں ذکر پی۔این سراسر فضول
کہیں ہو یہ سوچی نہ سمجھی سی چال
اسی سوچ میں تو میں گھنٹوں رہا
لگاہوں میں تیری میں ابتک تھا کیا
کہ صبر و سکوں دل کا جاتا رہا

نہ پاس آئے ان کے مصیبت کوئی
مقدّر میں لکھا ہوا اور تھا
اسیرِ اذیّت شکارِ ہراس
خموشئ پیہم کی حاجت رہی
تو بے چین اُس سے میں بڑھ کر ہوا
کہ ہائے آنی کو یہ کیا ہو گیا!
کہ رہ رہ کے اس نے ستایا نہ ہو
کسی آشنا نے ستایا نہ ہو
اثر مجھ پہ بھی اپنا کرنے لگی
تو اِک دن آنی سے یہ جا کر کہا
کسی نے کہا کچھ جو خاموش ہو
پجاری کو اپنے بتا دو حضور
پجاری کو گر تم خدا سے ہیں دُور
آنی نے لرزتے ہوئے یوں کہا
سرِ راہ کرتے ہیں ہم بات کیا
آنی کیا یہ تیرا ابھاتا نہیں
جسے ذہن کرتا نہیں ہے قبول
ہے جس کا سمجھنا یقیناً محال
سمجھنے لگی ہے آنی مجھ کو کیا
آنی تو ہی مجھ کو بتا دے ذرا
مجھے رات دن غم ستاتا رہا

خوشی جو گئی تو غمی چھا گئی
خوشی میں غمی پھر کدھر آ گئی

نہ گھر میں رہا پھر خوشی کا سماں
جہنّم بنا، تھا جو جنّت نشاں

سبھی گھر کے افراد حیران تھے
یہ کیا ہو گیا سب پریشان تھے

کہیں کھا گئی ہے کسی کی نظر
دیا ہو کسی نے بھی جادو نہ کر

لگے پوچھنے سب اُداسی کا حال
اُٹھانے لگے بے طرح کے سوال

ہے کیا رنج و غم یہ بتاؤ ہمیں
چھُپانا نہیں ہے یہ لازم تمہیں

کسی سے کہیں دل لگایا ہے کیا
نیا دل میں سپنا سجایا ہے کیا

نہیں نیند آتی تمہیں رات بھر
یہ آنکھوں کی نیند یا گئی ہے کدھر

وہ چہرے کی مسکان اب ہے کدھر
تمہیں کھا گئی ہے یہ کس کی نظر

اگر درد دل میں نہیں ہے نہاں
اُداسی ہے چہرے سے پھر کیوں عیاں

رفیقوں نے میرے یہ مجھ سے کہا
لگایا ہے دل تو نے کس سے بتا

جواب اُن کو فوراً یہ میں نے دیا
مرے دل لگانے کی ہے عمر کیا؟

عزیز و اقارب یہاں دوست سب
لگاتے ہیں الزام مجھ پر یہ اب

بتا دوں اُنھیں آپ بیتی ہے جو
تو ہرگز کریں گے نہ وشواس وہ

بتا دو اتی دوں اُنھیں کیا جواب
دکھا دو اُنھیں تم کرشمہ شتاب

پی-این کے بہانے سے رسوا کیا
اتی آہ! تو نے یہ ہے کیا کیا

نہ جانا کہ اُس سے کسی کا ضمیر
بہت دُکھ اُٹھائے گا کھائے گا تیر

اگر یوں نہی کہہ دیتی وہ باتمیز
دیا کیجئے گا نہ تم کوئی چیز

سمجھ لیتا اُس کے اگر من کی بات
نہ کرتا اتی سے میں پل بھر بھی بات

نہ دیتا اُسے میں اگر کوئی چیز
نہ کھاتا جُدائی کے یہ تیر تیز

اسی حادثے کا اثر یہ ہوا
گیا لڑکھڑا میں گیا ڈگمگا

دِل و ذہن دونوں میں ایسی ٹھنی
نہ اِک دوسرے کی کسی نے سُنی

اگر ذہن دیتا بھی دل سے ذرا
تو زیرِ زمیں کب کا ہوتا پڑا

مگر میرا وشواس پختہ جو تھا
اُسی نے لیا ہے مجھی کو بچا

دیا مجھ کو وشواس نے حوصلہ
کہ لیتا ہوا سانس ہوں پھر رہا

مگر دُھن یہ سر پر ہوئی تھی سوار
نکالوں میں کیسے یہ مَن کا غبار

غلط فہمی سے گر یہ سب کچھ ہوا
تو اس کا بھی مجھ کو لگے کچھ پتا

نہ جذباتی اتنا کبھی میں ہوا
کہ اس حادثے کا بھی خط لکھ دیا

یقیں تھا کہ اب پا سکوں گا میں چین
کٹیں گے مسرّت سے دن اور رین

نہ ہونا تھا ایسا نہ ایسا ہوا
اُدھر کا بھی ہے اِک عجب ماجرا

کبھی اُس کو میں نے کہا کچھ نہ تھا
میں کرتا رہا اس کی عزّت سدا

صِلا جِس کا اُس نے مجھے یہ دیا
مری اس نے عزّت پہ حملہ کیا

کہا ہے اگر کچھ کہا ہے یہی
رہو خوش نہ غمگیں رہو تم کبھی

یہی تھی تمنّا نظر میں رہو
مگر کب کہا تھا نگر چھوڑ دو

زمانے سے سیکھو یہ اطوار بھی
کہ عادت بنا و ملن سار بھی

رہے آشنا سے سروکار بھی
مگر ہو سلیقے کی گفتار بھی

بھلی گفتگو سے گھٹے فاصلہ
گھٹے فاصلہ تو بڑھے حوصلہ

کہ آتا ہے انسان انساں کے کام
نہیں آتا شیطان انساں کے کام

مجھے غم اگر ہے تو بس ہے یہی
نہ کیوں میں تیرے کام آیا کبھی

ہے رشتہ مرا تجھ سے اب بھی وہی
جو مولا نے قائم کیا تھا کبھی

یہ رشتہ رہے گا بھی جیون کے ساتھ
نہ مِٹے گا مٹے گا بھی جیون کے ساتھ

اٹوٹ اپنا رشتہ یہ ٹوٹے گا جب
نکل جائے گی رُوح قالب سے جب

تیری من میں تصویر لی ہے سجا — تصور میں باتیں کروں گا سدا

کروں گا تصور میں، میں گفتگو — بٹھا کر تمہیں اپنے ہی روبرو

نکالا ہے میں نے نیا راستہ — رہے تاکہ جیون میں اِک واسطہ

پجاری ہوں پوجا کروں گا سدا — یقیناً میں پاؤں گا اس کا صلہ

وضو کر کے لوں گا تمہارا میں نام — جوں اللہ کا لیتے اہلِ سلام

جو سچی محبت ہے انسان سے — تو سمجھو محبت ہے بھگوان سے

جو آئے کبھی خیال دل میں مرا — سمجھنا سرِ راہ پتھر پڑا

وہ پتھر کبھی ایسا کرشمہ بنے — کہ جس سے تیرے من کی نفرت مٹے

ہٹاؤ گی نظرِ عنایت کو جب — ہے ممکن مجھے پاؤ مایوس تب

جو خاموش ہوں اور مجبور ہوں — ترے ہی سبب سے میں رنجور ہوں

زباں پر میرا جب کبھی آئے ذکر — یہی التجا ہے کہ کرنا نہ فکر

اگر دل دکھایا ہو میں نے کبھی — معافی کا میں ہوں طلبگار بھی

رہے زندگی میں خوشی غم رفیق — بُلانا نہ وقتِ خوشی تم شفیق

رفاقت ہی کی ہوں وجوہات سبب — نہ نفرت کا پیدا ہو کوئی سبب

مگر التجا ہے یہ میری حضور — کہ غم میں مجھے یاد کرنا ضرور

غمی بانٹنے سے گھٹے گی غمی — خوشی بانٹنے سے بڑھے گی خوشی

رہو خوش و خرم جہاں میں ہمیش — رہیں نعمتیں سب ہی انمول پیش

یہ کندن کی آخر میں ہے التجا — اٹی رہنا ہرگز نہ مجھ سے خفا

نہ دینا کہ بھول کر بددعا

یہی التجا ہے یہی التجا